



اینٹلو- امریکن استشراتی روایت کا علاقائی مطالعات (ایریاسٹڈیز) کے فروغ میں کردار اور مسلم محققین کے لئے اس کی اہمیت

## THE IMPACT OF ANGLO-AMERICAN ORIENTALIST TRADITION ON THE DEVELOPMENT OF AREA STUDIES AND ITS RELEVANCE FOR MUSLIM SCHOLARS

**Muhammad Samiullah**

Email: [muhammad.samiullah@umt.edu.pk](mailto:muhammad.samiullah@umt.edu.pk)

ORCID ID: <https://orcid.org/0000-0002-0998-0549>

Associate Professor Islamic Thought and Civilization,  
University of Management and Technology,  
Lahore, Pakistan.

### To cite this article:

Samiullah, Muhammad. "THE IMPACT OF ANGLO-AMERICAN ORIENTALIST TRADITION ON THE DEVELOPMENT OF AREA STUDIES AND ITS RELEVANCE FOR MUSLIM SCHOLARS." *The Scholar Islamic Academic Research Journal* 11, No. 1 (June 2025).

To link to this article: <https://doi.org/10.29370/siarj/issue20urduar4>

### Journal

The Scholar Islamic Academic Research Journal  
Vol. 11, No. 1 | January -June 2025 | | P. 69- 113

### DOI:

10.29370/siarj/issue20urduar4

### License:

Copyright c 2017 NC-SA 4.0

### Journal homepage

[www.siarj.com](http://www.siarj.com)

### Published online:

2025-06-01

### Journal Indexed by:

DOAJ | AIL | Almanhal | National Library of Australia | Academia, | DRJI | WorldCat | SCILIT | Gale | The Internet Archive | 10-A Digital Library | | Harvard Library E-Journals | -Library | University of Ottawa | ScienceGate | NAVER Academic, Asian Digital Library | Tehqeeqat, | SEMANTIC SCHOLAR | Publon | Repository | Globethics | EuroPub database | Cornell University Library | Advanced Sciences Index.



اینٹلو-امریکن اسٹشراقی روایت کا علاقائی مطالعات (ایریاسٹڈیز) کے فروغ میں کردار اور  
مسلم محققین کے لئے اس کی اہمیت

**THE IMPACT OF ANGLO-AMERICAN ORIENTALIST  
TRADITION ON THE DEVELOPMENT OF AREA STUDIES  
AND ITS RELEVANCE FOR MUSLIM SCHOLARS**

**ABSTRACT:**

This paper examines the contribution of Orientalism to the emergence of Area Studies as a distinct academic field. It argues that the historical development of Area Studies in the West is intricately linked to the strategic and political interests of colonial powers, primarily Britain and the United States, in the Middle East and broader regions. The paper traces the intellectual origins of Area Studies, beginning with the Orientalist tradition that sought to understand and categorize the East through the lens of Western superiority. Over time, this knowledge production was shaped by geopolitical and strategic concerns, particularly in the context of the Cold War, where the U.S. and Britain sought to secure economic and political dominance in the Middle East and other regions. The study delves into the institutionalization of Area Studies, with particular focus on the development of research centers, think tanks, and academic departments dedicated to the study of specific regions. Key milestones include the establishment of major academic programs at institutions like Harvard and Oxford, and the foundation of organizations such as the Middle East Studies Association (MESA) in the U.S. These institutions not only promoted a multidisciplinary approach to the study of the Middle East but also reinforced the alignment between academic research and the strategic needs of Western powers. Ultimately, the paper

highlights the reciprocal relationship between knowledge and power, where political agendas shaped academic inquiry and vice versa. The rise of Area Studies can be seen as a product of this dynamic, serving both the interests of colonial powers and the development of a new academic paradigm that intertwined social sciences with political strategy.

**KEYWORDS:** Orientalism, Area Studies, Middle East, Geopolitics, Colonialism, Knowledge and Power

کلیدی الفاظ: استشراق، ایریا اسٹڈیز، مشرق وسطیٰ، جغرافیائی سیاست، نوآبادیات، علم اور طاقت

### تعارف

ایریا اسٹڈیز (Area Studies) یا علاقائی مطالعات، کثیر شعبہ جاتی (interdisciplinary) تحقیقی موضوع ہے جو مخصوص جغرافیائی یا ثقافتی خطوں کے تہذیبی، تاریخی، سیاسی، معاشی، سماجی اور معروضی مطالعے کا نام ہے، تاکہ ان کی خصوصیات اور عالمی سطح پر ان کے کردار کو بہتر طور پر سمجھا جاسکے۔ ایریا اسٹڈیز کا مقصد نہ صرف ان خطوں کا داخلی مطالعہ ہے بلکہ عالمی تعلقات، بالخصوص عالمی طاقتوں کے ساتھ ان کے ممکنہ تعامل، کو بھی سمجھنا ہے۔ اس سلسلے میں ڈیوڈ ایل. زینٹن<sup>1</sup> (David L. Szanton) ایریا اسٹڈیز کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں،

Area studies as a field committed to intensive language study, in-depth field research, close attention to local histories and perspectives, and multidisciplinary collaboration that often bridges the social sciences and humanities. This comprehensive approach

<sup>1</sup> ڈیوڈ ایل. زینٹن (David L. Szanton) ایک سماجی انسانیات کے ماہر ہیں، جو 1991 سے 2001 تک یونیورسٹی آف کیلیفورنیا، برکلی (University of California, Berkeley) میں بین الاقوامی اور علاقائی مطالعات کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر رہے۔ وہ ہتھک آرٹس فاؤنڈیشن (Ethnic Arts Foundation - EAF) کے بانی رکن اور 2001 سے اس کے اعزازی صدر ہیں۔ وہ بہار (Bihar) کے مٹھلا (Mithila) خطے میں فنکاروں اور طلبہ سے ملاقاتوں، فن پاروں کی خریداری، اور نمائشوں کے انعقاد میں سرگرم ہیں۔ انہوں نے بھارت، جنوبی افریقہ، فرانس، اور امریکہ میں مٹھلا پینٹنگ (Mithila Painting) کی 19 نمائشیں کیوریٹ کیں اور "پولیکلس آف ناچ: ایریا اسٹڈیز اینڈ دی ڈسپلینز (Politics of Knowledge: Area Studies and the Disciplines)" (2004) کے ایڈیٹر ہیں۔

aims to generate nuanced insights into social formations, political dynamics, and cultural constructions within specific regions.<sup>2</sup>

" علاقائی مطالعات ایک ایسا شعبہ ہے جو عمیق لسانی مطالعے، وسیع میدانی تحقیق، مقامی تاریخ اور نقطہ ہائے نظر پر باریک بینی سے غور کرنے، اور بین العلوم اشتراک پر مبنی ہوتا ہے، جو عموماً سماجی علوم اور انسانی علوم کے مابین پُل کا کردار ادا کرتا ہے۔ یہ جامع طریقہ کار مخصوص علاقوں کے سماجی ڈھانچوں، سیاسی حرکیات، اور ثقافتی تشکیل بارے گہری اور باریک بین تفہیم پیدا کرنے کا مقصد رکھتا ہے۔"

ایریا اسٹڈیز کی تحریک کو ایک لحاظ سے استشرق (Orientalism) سے متاثر سمجھا جاسکتا ہے۔ استشرق ایک علمی تحریک تھی جو مغربی محققین اور دانشوروں نے مشرقی دنیا کے بارے میں اپنے نظریات اور تصورات کو مرتب کرنے کے لیے شروع کی تھی۔ ادوار وسطیٰ میں، مشرقی ثقافتیں اور ان کے سیاسی نظام مغربی دنیا کے لیے اجنبی اور دلچسپی کا مرکز بنے۔ 19 ویں اور 20 ویں صدی میں، استشرق کے ذریعے مغرب نے مشرق کی تاریخ، زبانوں، مذاہب، اور ثقافت کا مطالعہ شروع کیا تاکہ ان کی سیاست اور معاشرتی ڈھانچوں کو سمجھا جاسکے۔ ایریا اسٹڈیز نے استشرق کی ان ہی اساسات کو اختیار کیا، لیکن اس میں ایک فرق تھا۔ استشرق میں مغربی طاقتوں کے مفادات کو ترجیح دی گئی تھی، جس میں مشرق کو سمجھنے کا مقصد مغربی اقتدار کے حق میں فائدہ اٹھانا تھا۔ تاہم، ایریا اسٹڈیز نے یہ مطالعہ زیادہ جامع انداز میں کیا، جس میں مقامی ثقافتوں، سیاست اور معاشرتی ڈھانچوں کی تفصیل سے تحقیق کی گئی۔

مغربی اکیڈمیوں نے ایریا اسٹڈیز کے نمایاں نوآمد کے طور پر اپنے علمی ارتقاء کو جلا بخشی کیونکہ اس سے عالمی سطح پر مشرقی ثقافتوں کی زیادہ تفصیل سے تحقیق کی گئی۔ اسی طرح ایریا اسٹڈیز نے عالمی پالیسی سازوں کو مخصوص خطوں کی تفصیلی معلومات فراہم کیں، جس سے ان کے فیصلوں میں پختگی آئی۔ خاص طور پر، امریکا اور یورپ میں ایریا اسٹڈیز کے پروگرامز نے مختلف خطوں، خاص طور پر مشرق وسطیٰ اور ایشیا کے بارے میں پالیسی سازی کو بہتر بنایا۔ نیز، انہی علاقائی مطالعات نے مختلف ثقافتوں کے مابین تعلقات کو بہتر طور پر سمجھا، جس سے عالمی سطح پر تعلقات کی نوعیت میں تبدیلی آئی۔

<sup>2</sup> David L. Szanton. The Politics of Knowledge: Area Studies and the Disciplines. (London: Routledge, 2006), p. 45

دورِ حاضر میں مسلم جامعات میں بالخصوص پاکستان میں، علاقائی مطالعات کے شعبہ جات کا قیام وقت کی اہم ضرورت ہے کیونکہ ایک طرف جہاں عالمی سطح پر خطوں اور ان کی ثقافتوں کا مطالعہ ضروری ہے، وہیں دوسری طرف مسلم معاشروں کے اندرونی مسائل اور عالمی سیاست میں ان کا کردار بھی اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ علاقائی مطالعات مسلم دنیا کے لیے اس لیے بھی ضروری ہیں کیونکہ ان کے ذریعے نہ صرف مغربی دنیا کے نظریات کو چیلنج کیا جاسکتا ہے۔ جس طرح ایریا سٹڈیز نے مغربی اکادمی میں صرف عالمی سطح پر مختلف خطوں کے بارے میں علم پیدا کیا بلکہ اس نے مختلف ثقافتوں اور سماجی ڈھانچوں کی تفصیل سے سمجھنے کا ایک نیا فریم ورک فراہم کیا۔ زیر نظر مقالہ، تحریکِ استشراق کے علاقائی مطالعات کو اختیار کرنے کے اہداف، تاریخ اور منہاج کو دیکھنے کی ایک کاوش ہے۔

ایریا سٹڈیز سے متعلق سابقہ افکار و تحقیقات کا جائزہ:

علاقائی مطالعات (Area Studies) کی ترقی، خصوصاً مغربی علمی تناظر میں، استشراق کی روایات سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ یہ روایات، جو مشرقی معاشروں کا مطالعہ کرنے والے مغربی محققین سے جڑی ہوئی ہیں، نہ صرف مشرق کی تفہیم کے لیے ایک فریم ورک کے طور پر کام کرتی رہیں بلکہ علاقائی مطالعات کے علمی میدان کی بنیاد بھی رکھتی ہیں۔ سطور ذیل میں، اینگلو-امریکن استشراق اور علاقائی مطالعات کے پس منظر اور اس کے ارتقاء پر موجود ادب کا جائزہ لیا گیا ہے۔

استشراق اور علاقائی مطالعات کی ترقی میں اس کا اثر: ایڈورڈ سعید کی کتاب "استشراق" <sup>3</sup> (1978) "اس بات کو سمجھنے کے لیے ایک بنیادی متن ہے کہ استشراق کس طرح مغربی دنیا میں مشرق کے بارے میں بسا اوقات خلاف حقیقت تصورات بناتا رہا ہے۔ سعید نے اپنے اعتراضات میں یہ موقف اپنایا کہ مغرب نے مشرق کو اس طور پر پیش کیا تاکہ وہ اپنی استعماریت کو جواز فراہم کر سکے۔ استشراق محض علمی تحقیق کا ایک میدان نہیں تھا، بلکہ یہ ایک طاقت کے نظام کا حصہ تھا جو مغرب اور مشرق کے درمیان تعلقات کو مستحکم کرنے کے لیے علم پیدا کرتا تھا۔ اس کے بعد آنے والے محققین نے سعید کے نظریات کی توسیع کی۔ رابرٹ ارون کی کتاب: "For Lust of Knowing"

<sup>3</sup> Edward Said, *Orientalism* (Beirut: Dar al-Tarjumah, 1978).

(2006) "The Orientalists and Their Enemies" <sup>4</sup> نے سعید کے موقف کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا کہ اگرچہ استشرق ایک امپیریل ایجنڈا سے جڑا ہوا تھا، مگر اکثر استشرقی محققین نے خالص تحقیقی کام بھی کیا۔ ارون کی تنقید اس بات پر ہے کہ استشرق کے محققین ایک ہی نوعیت کے نہیں تھے اور بعض مستشرقین نے جو علاقائی مطالعات کئے، وہ علمی و تحقیقی بنیادوں پر تھے۔ اس کے برعکس، برنارڈ لیوس اور جیرالڈ میک کلین جیسی شخصیات نے روایتی استشرق کے نظریات کو ہی فروغ دیا، جنہیں مسلم دنیا کے بارے میں مغربی مفروضات کو مزید مستحکم کرنے کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔ دونوں محققین نے اسلامی معاشروں کو جامد، استبدادی، اور مغرب کی مداخلت کے لیے ضروری قرار دیا <sup>5</sup>۔ علاقائی مطالعات کا آغاز اسی تناظر میں ہوا۔ جیسے جیسے امریکہ کی مشرق وسطیٰ اور دیگر مسلم دنیا کے علاقوں میں جغرافیائی و سیاسی دلچسپی بڑھتی گئی تاکہ امریکی خارجہ پالیسی کی رہنمائی کی جاسکے۔ ڈیل اییکلمان کی کتاب (2002) "The Middle East: An Anthropological Approach" <sup>6</sup> میں بیان کیا گیا ہے کہ علاقائی مطالعات بالواسطہ طور پر امریکی حکومت کے مفادات کی تکمیل کے لیے بنائے گئے، جن میں مشرق وسطیٰ، جنوبی ایشیا، اور افریقہ کی سیاسی، سماجی اور ثقافتی تحلیل کی جاتی تھی۔

علاقائی مطالعات کا عروج اور امریکی خارجہ پالیسی سے اس کا تعلق: علاقائی مطالعات کا عروج دوسری جنگ عظیم کے بعد ہوا، جب امریکہ نے دنیا کے اہم علاقوں میں اپنے اثر و رسوخ کو بڑھانے کی کوشش کی۔ جینیفر وولش کی کتاب "The Power of Geography: How Territory Shapes American Strategy" (1989) <sup>7</sup> میں ذکر کیا گیا ہے کہ علاقائی مطالعات ان علاقوں میں امریکی مفادات کے تحفظ میں کلیدی کردار ادا کرتے تھے، خاص طور پر سرد جنگ کے دوران۔ ان مطالعات کا مقصد یہ تھا کہ ان علاقوں کی سیاسی حرکیات کو سمجھا جائے، اور اس کے لیے اکثر امریکی حکومتوں، بشمول سی آئی اے اور اسٹیٹ

<sup>4</sup> Robert Irwin, *For Lust of Knowing: The Orientalists and Their Enemies* (London: Harvard University Press, 2006).

<sup>5</sup> Bernard Lewis, *The Middle East: A Brief History of the Last 2,000 Years* (New York: HarperCollins, 1995).

<sup>6</sup> Dale Eickelman, *The Middle East: An Anthropological Approach* (New York: Princeton University Press, 2002).

<sup>7</sup> Jennifer Wolch and Michael Dear. *The Power of Geography: How Territory Shapes American Strategy*. ROUTLEDGE LIBRARY EDITIONS: SOCIAL AND CULTURAL GEOGRAPHY. Routledge, London. (1989)

ڈپارٹمنٹ کے ساتھ تحقیقی تعاون کیا جاتا تھا۔ جان کنگ فیربینک<sup>8</sup> اور ویلیم وے لاک ووڈ<sup>9</sup> نے چین اور جاپان کے مطالعے پر اپنے کام میں بتایا کہ علاقائی مطالعات خاص طور پر قومی سکیورٹی اور جغرافیائی سیاست کے تناظر میں ڈھالے گئے تھے۔ مشرق وسطیٰ اور جنوبی ایشیا میں اس طرح کے مطالعات سرد جنگ کے دوران امریکہ کے جغرافیائی مفادات کی تکمیل کے لیے کیے گئے تھے۔ اسی طرح فرانسس پریٹ شیٹ کی کتاب "The Ideology of American Area Studies"<sup>10</sup> (1992) میں یہ بتایا گیا ہے کہ علاقائی مطالعات محض غیر جانبدار نہیں تھے؛ بلکہ وہ اس وقت کی آئیڈیالوجی سے تشکیل پائے تھے، جو مغربی بالادستی اور بیرونی مداخلت کی ضرورت کو جواز فراہم کرتی تھی۔

مسلم محققین پر اثرات اور علم و تحقیق میں ان کا کردار: مسلم محققین بالعموم، مغربی استشرافیہ تفہیم کے ساتھ تنقیدی تعلق رکھتے ہیں، اور انہوں نے ان تعصبات کی نشاندہی کی جو استشرافیہ مطالعات میں موجود تھے۔ تاہم، حمید داباشی کی کتاب "Can Non-Europeans Think?"<sup>11</sup> (2015) یہ چیلنج کرتی ہے کہ مسلم اسکالرز نے استشراف اور علاقائی مطالعات کے فریم ورک سے باہر اپنی خود کی علمی جگہ بنانے کی کوشش کی۔ داباشی کا کہنا ہے کہ مسلم محققین نے ہمیشہ ان کے لیے متبادل فریم ورک تیار کیے ہیں جو ان کے اپنے معاشروں کی حقیقتوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ رشید خالد کی کتاب "The Postcolonial State in the Middle East"<sup>12</sup> (1998) میں ذکر کیا گیا ہے کہ مسلم محققین نے ایک علمی جگہ بنانے کی کوشش کی ہے جو مغربی فریم ورک سے آزاد ہو، اور انہوں نے تاریخ نویسی، بشریات اور سیاسیات جیسے شعبوں کا استعمال کیا ہے تاکہ مشرق وسطیٰ کے بارے میں نئی تفہیم پیدا کی جاسکے۔ اسی طرح آصف بیات کی کتاب "Post-Islamism: The Changing Faces of

8 John King Fairbank, China: A New History (Cambridge, MA: Belknap Press of Harvard University Press, 1992).

9 William W. Lockwood, The State and Economic Enterprise in Japan (Princeton, NJ: Princeton University Press, 1965).

10 Francis Pritchett Sheet, The Ideology of American Area Studies (New York: Routledge, 1992).

11 Hamid Dabashi, Can Non-Europeans Think? (New York: Zondervoop, 2015).

12 Rashid Khalidi, The Postcolonial State in the Middle East (London: Harvard University Press, 1998).

(2013) "Political Islam"<sup>13</sup> میں یہ دکھایا گیا ہے کہ مسلم محققین اسلام اور اس کے معاشروں کے بارے میں مغربی استشراتی نظریات کو چیلنج کرنے کے لیے اہم کام کر رہے ہیں۔

علاقائی مطالعات کا مستقبل اور مسلم محققین کا کردار: علاقائی مطالعات کا مستقبل اس بات پر منحصر ہے کہ محققین ان طاقتوں کے ساتھ کیسے تعامل کرتے ہیں جو اس علمی میدان کو تشکیل دیتی ہیں۔ سامی زبیدہ کی کتاب "Islam, the State, and Political Authority: Medieval Issues and Modern Concerns"<sup>14</sup> (2009) میں یہ تجویز کی گئی ہے کہ مسلم محققین کے لیے ضروری ہے کہ وہ مقامی اور مغربی محققین کے ساتھ مل کر کام کریں تاکہ استشراق کے ورثے کو ختم کیا جاسکے۔

علاقائی مطالعات کا عروج اور استشراق کے ساتھ اس کا تعلق مشرق وسطیٰ، جنوبی ایشیا اور دیگر مسلم اکثریتی علاقوں کے علمی مطالعہ پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ اگرچہ مغربی محققین نے اس میدان میں اہم کردار ادا کیا، مسلم محققین نے ان تعصبات اور مفروضات کو چیلنج کیا ہے جو اس میدان میں موجود تھے۔ تاہم وقت کی ضرورت ہے کہ مسلم محققین بھی علاقائی مطالعات کو اپنے ہاں جامع، تنقیدی، اور مشترکہ نقطہ نظر کے ساتھ دوبارہ تشکیل دینے میں کردار ادا کریں۔

### شرق شناسی کی اساسیات:

لفظ "مشرق (Orient)" کی لسانیاتی (etymological) جڑیں سورج کے طلوع ہونے کے تصور سے جڑی ہوئی ہیں، جو کسی مخصوص جغرافیائی مقام کے تعین کے لیے ایک چیلنج پیدا کرتی ہیں۔ جغرافیائی لحاظ سے، بعض تاریخی ادوار میں بحیرہ روم (Mediterranean) کا مرکزی مقام اس طرح قائم کیا گیا کہ اس کے مشرق کو "مشرق" اور مغرب کو "مغرب" کہا گیا۔ بعد میں جب طاقت کا مرکز مغربی یورپ کی طرف منتقل ہوا، تو اس تصور کو

13 Asef Bayat, Post-Islamism: The Changing Faces of Political Islam (Oxford: Oxford University Press, 2013).

14 Sami Zubaida, Islam, the State, and Political Authority: Medieval Issues and Modern Concerns (London: Blackwell, 2009).

مزید تقویت ملی کہ ایک "مشرق" کا وجود ہے<sup>15</sup>۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ "مشرق" ان ممالک پر مشتمل تھا جو اسلامی فتوحات سے قبل بحیرہ روم کے مشرق میں واقع تھے، اور بعد میں اس میں مصر اور شمالی افریقہ کو بھی شامل کر لیا گیا۔ انسائیکلو پیڈیا میں مستحکم رائے یہ ہے کہ "مشرق" ایشیائی سر زمین اور جزیروں پر دلالت کرتا ہے، اور بعض اوقات مغربی ایشیا جسے قریب مشرق یا Near East بھی کہا جاتا ہے، کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔<sup>16</sup>

تیونسئی مفکر اور مؤرخ ہشام جعیط<sup>17</sup> (Hichem Djaït) کے مطابق، بارہویں صدی عیسوی میں پیدا ہونے والا فکری ماحول، جو اگلی دو صدیوں میں پروان چڑھا اور اٹھارہویں صدی تک جاری رہا، درحقیقت "Mohammedian pseudo-prophecy" کے خلاف شدید دشمنی پر مبنی تھا۔ اس دور میں یہ عام خیال تھا کہ پیغمبر اسلام کی "جھوٹی نبوت" ہی وہ بنیادی سبب تھی جس کی وجہ سے مسیحیت کی مسلسل انسانی ترقی رک گئی<sup>18</sup>۔ علاوہ ازیں، بیشتر محققین کا رجحان اس نظریے کی طرف ہے کہ استشرق کے ظہور کے پیچھے بنیادی مقصد اسلام سے مقابلہ کرنا تھا<sup>19</sup>۔

<sup>15</sup> Mohammed Fathallah al-Ziyadi, The Spread of Islam and the Position of Some Orientalists on it (Tripoli, Libya: General Publishing Organization, [n. d.]), pp. 55-6.

Ibid. p. 56.

<sup>16</sup>

ہشام جعیط (6 دسمبر 1935-1 جون 2021) ایک معروف مورخ اور اسلام کے اسکالر تھے۔ ان کا تعلق تیونس سے تھا اور ان کا خاندان اسلامی فقہ اور مفتی کے حوالے سے معروف تھا۔ جعیط نے اپنی ابتدائی تعلیم تیونس کے سابقہ کالج سے حاصل کی، جہاں انھوں نے فرانسیسی، عالمی ادب، مغربی فلسفہ، عربی اور اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا۔ بعد ازاں انہوں نے فرانس میں تاریخ میں "ایگریگیشن" کی ڈگری 1962 میں حاصل کی اور 1981 میں پی ایچ ڈی کی تکمیل کی۔ وہ یونیورسٹی آف تیونس میں ایمرائٹس پروفیسر رہے اور میک گل یونیورسٹی اور یونیورسٹی آف کیلیفورنیا، برکلی میں وزیٹنگ پروفیسر کے طور پر بھی خدمات انجام دیں۔ جعیط نے اسلامی تاریخ، عربی ثقافت، فلسفہ اور اسلام اور جدیدیت کے تعلقات پر کئی اہم کتابیں لکھیں، جن میں "عظیم فتنہ" (1989) اور "محمد کی زندگی" (2001-2007) شامل ہیں۔ ان کی تحریریں اسلامی تاریخ اور فکر پر انقلابی اثرات مرتب کرنے والی سمجھی جاتی ہیں۔ جعیط نے اسلامی ثقافت کے بحران، یورپ اور اسلام، اور محمد کی زندگی جیسے موضوعات پر وسیع تحقیق کی۔ انہیں کئی اعزازات سے نوازا گیا، جن میں 1989 میں تیونسئی نیشنل ہیومنٹیز ایوارڈ اور 2019 میں تیونس کے "گریڈ آفیسر آف آرڈر آف دی ری پبلک" ایوارڈ شامل ہیں۔

<sup>17</sup>

<sup>18</sup> Lutfi ibn Milad, "Orientalism in the thought of Hichem Djaït," Al-Mustaqbal Al-Arabi, year 33, no. 376 (June 2010), pp. 119-20.

<sup>19</sup> Zahir Awwad al-Almaie, With the Exegetes and the Orientalists on the Marriage of the Prophet (PBUH) to Zaynab bint Jahsh: An Analytical Study, vol. 2 (Cairo: Eissa al-Babi, 1976), p. 23.

قرون وسطیٰ میں مسلمانوں کی ہسپانیہ (Spain) اور سسلی (Sicily) میں آمد نے مغرب کو اس بات پر قائل کیا کہ اسلامی پیغام کا مطالعہ ضروری ہے<sup>20</sup>۔ ابتداء سے ہی مشرق، جس کی نمائندگی مسلمان کر رہے تھے، اور مغربی مسیحی دنیا کے درمیان تعلقات تصادم سے عبارت رہے ہیں۔ مسلمانوں کی مغربی علاقوں میں پیش قدمی ایک مخصوص حد پر آکر رک گئی، جس کے بعد مغرب نے مشرق کے خلاف جو ابی حملوں کی لہر کا آغاز کیا، جو ہسپانیہ سے شروع ہو کر صلیبی جنگوں (Crusades) پر منتج ہوئی۔ ان ادوار میں مستشرقین کی تحریریں علمی تحقیق کے بجائے جنگی پروپیگنڈے کے ہتھیار کے طور پر استعمال کی گئیں۔ بارہویں اور تیرہویں صدی کی تصانیف عام طور پر جذباتی نوعیت کی تھیں۔ اسی تناظر میں ایبٹ پیٹر دی ویریل<sup>21</sup> (Abbot Peter the Venerable) نے مسلمانوں پر شدید تنقید کی اور عیسائیوں کو ان کے ساتھ صلح کرنے پر ملامت کی۔ اس نے مسلمانوں کے خلاف تشدد اپنانے کے لیے عیسائیوں کو بھڑکایا اور قرآن کا لاطینی زبان میں ترجمہ کروانے میں سرگرم رہا<sup>22</sup>۔ بارہویں صدی کے وسط میں، قرآن کے چار ترجمے شائع ہوئے، جن کے ساتھ ایبٹ پیٹر نے ایک دیباچہ بھی تحریر کیا۔ اس نے پیغمبر اسلام کی سیرت اور یزید کے عہد اور حضرت حسین کی شہادت تک کے خلفاء کی تاریخ بھی ترجمہ کی۔ قابل ذکر امر یہ ہے کہ

20 Abdel Jalil Chalebi, Islam and the Orientalists (Cairo: Dar Al-Shaab, [1977]), p. 27.

پیٹر دی ویریل (تقریباً 1092-25 دسمبر 1156) ایک مشہور ہینڈیکرائٹڈ راہب اور کلیسیا کے راہب تھے۔ پیٹر کی سب سے بڑی کامیابی اسلام کے ساتھ کلیسائی تعلقات کی دوبارہ تشکیل میں ان کی خدمات ہیں۔ پیٹر نے اسلام کو اس کے اپنے ماخذ سے سمجھنے پر زور دیا اور 1142 میں اسٹین کا دورہ کیا جہاں انہوں نے مترجمین سے ملاقات کی۔ ان کے زیر نگرانی اہم عربی متون کا ترجمہ کیا گیا جس میں سب سے اہم عربی قرآن کا پہلی بار لاطینی میں ترجمہ تھا (جو \*Lex Mahumet pseudoprophete\* کے نام سے مشہور ہے)۔ یہ ترجمہ اسلامی علوم میں ایک سنگ میل سمجھا جاتا ہے اور اس کے ذریعے مغرب میں اسلام کا سنجیدہ مطالعہ ممکن ہوا۔ پیٹر کی اہم تحریروں میں \*Summa totius heresis Saracenorum\* اور \*Liber contra sectam sive heresim Saracenorum\* شامل ہیں جن میں اسلام کو ایک مسیحی بدعت کے طور پر پیش کیا گیا۔ اس کے باوجود، پیٹر کا یہ نظریہ کہ اسلام کو ایک مسیحی بدعت کے طور پر دیکھا جائے، اکثر منفی انداز میں پیش کیا گیا، لیکن ان کے کام نے اسلام کے بارے میں ایک زیادہ معقول نقطہ نظر پیش کیا جو اس کے اپنے ماخذوں پر مبنی تھا۔ پیٹر کا یہ نقطہ نظر صرف چند کلیسیائی شخصیات میں مقبول ہوا، اور انہیں مختلف اذہان میں اسلامی تعلیمات کے بارے میں ایک زیادہ دانشمندانہ تجزیہ فراہم کرنے کے طور پر یاد کیا گیا۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:

Fournet, Pierre Auguste (1911). "Bl. Peter of Montboissier". In Herbermann, Charles (ed.). Catholic Encyclopedia. Vol. 10. New York: Robert Appleton Company.

22 Abdel Jalil Chalebi, Orientalist Images, vol. 1, pp. 25-6.

قرآن کا پہلا ترجمہ 1143ء میں شائع ہوا، جو ایڈیسا (Edessa) کے سقوط سے پہلے کا ہے اور اسے پادری بطرس (Father Butrus) (1092-1157) سے منسوب کیا جاتا ہے۔

استشرق کے نمایاں نقاد، ایڈورڈ سعید (Edward Said)، کے نزدیک "استشرق" بطور ایک علمی نظریہ (epistemological act) مبہم اور نسبی (relative) تصور ہے، کیونکہ یہ انیسویں اور بیسویں صدی کے اوائل میں یورپی استعماریت کے نفاذ پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اگرچہ استشرق وہ نہیں رہی جو پہلے تھی، لیکن پھر بھی یہ مغربی جامعات اور علمی اداروں میں مشرق اور مشرقی افراد کے بارے میں فرقہ وارانہ ذہنیت اور مفروضات کے ذخیرے کے طور پر موجود رہی۔ یہ تصور، جو یورپی جدیدیت سے منسلک تھا، بعد از جدیدیت<sup>23</sup> کے دور میں مزید مستحکم ہو گیا، جب الیکٹرانک دنیا نے مشرق سے متعلق مغربی دقیانوسی تصورات (stereotypes) کو مزید جلا بخنسی۔ ٹیلی ویژن اور سینما نے معلومات کو یکسانیت اور جامد تصورات کے سانچوں میں ڈھال دیا۔ ایڈورڈ سعید کے مطابق<sup>24</sup>، تین عوامل نے مشرق کے بارے میں ایک انتہائی سیاسی نوعیت کے تصور کو فروغ دیا:

1. عربوں اور اسلام کے خلاف مغرب میں رائج تاریخی عوامی تعصبات۔
2. عربوں اور صیہونیت (Zionism) کے درمیان تنازع۔
3. مغربی اور عرب-اسلامی شناخت کے اتحاد کے کسی بھی امکان کی عدم موجودگی۔

<sup>23</sup> پوسٹ ماڈرن ازم ایک اصطلاح ہے جو مختلف فنون، ثقافتی، اور فلسفیانہ تحریکوں کو بیان کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو ماڈرن ازم سے علیحدگی کا دعویٰ کرتی ہیں۔ ان میں یہ مشترک بات ہے کہ اب دنیا کو پیش کرنے کے پچھلے طریقوں پر انحصار کرنا ممکن نہیں رہا۔ تاہم، اس کی مزید تفصیلی تعریف پر ماہرین کے درمیان اختلاف ہے، یہاں تک کہ محدود سیاق و سباق میں بھی۔ یہ اصطلاح 1950-1960 کی دہائیوں کے دوران ادبی تنقید میں اپنی موجودہ معانی اختیار کرنے لگی۔ ماڈرن ازم کی مبینہ سنجیدگی کے مقابلے میں، پوسٹ ماڈرن ازم اپنے متنوع طرزوں اور performative irony کے استعمال سے پہچانا جاتا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:

Jin, Huimin (September 2023). "Postmodernism in the 21st Century Pros and Cons". *Journal of East-West Thought*. 13 (3): 19.

<sup>24</sup> Edward Said, *Orientalism: Knowledge, Power and Discourse*, translated into Arabic by Kamal Abu Deeb (Beirut, Arab Research Institute, 1981). p. 37.

مندرجہ بالا مباحث کی بنیاد پر، اس مقالے میں دو بنیادی مفروضات کی توثیق کی جائے گی۔ اول: تحریک استشراق کا فکری پس منظر، مشرق کے بارے میں مخصوص تصورات پر مشتمل تھا، جس میں خود مشرق کا تخلیقی تصور بھی شامل تھا۔ یہ فکری پس منظر دوسری جنگ عظیم کے بعد کے علمی ڈسکورسز میں بھی مضبوطی سے موجود رہا۔ دوم: طاقت (Power) اور علم (Knowledge) کے درمیان مسلسل تعامل، خواہ وہ اقتصادی ہو یا سیاسی، وسیع علمی منصوبوں پر حاوی رہا ہے۔ یہی تعامل ان علمی منصوبوں کا تعین کرتا ہے، جن پر یہاں بحث کی جائے گی، اور جو طاقت کے اس جدلیاتی (dialectical) ربط کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔ استشراق پر ہونے والی بیشتر تنقیدی تحقیقات اس کے علمی توسیعی اثرات (academic extensions) اور ان کے پیچھے موجود سیاسی مقاصد پر توجہ مرکوز کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ یہ علمی توسیعات درحقیقت ان ریاستوں کے وسیع تر معاشی مفادات کی عکاسی کرتی ہیں، جنہوں نے ان علمی منصوبوں کی سرپرستی کی، ان کی پرورش کی، اور انہیں آگے بڑھایا۔ یہی پس منظر ہے، جس میں جنگ عظیم دوم کے بعد "ایریا اسٹڈیز" (Area Studies) کے نام سے ایک نیا علمی رجحان ابھرا۔ چنانچہ، مغربی دنیا میں علاقائی مطالعات سے متعلق تحقیق، کثیرالجہتی (multilevel) ہے، جو تین سطحوں کو باہم مربوط کرتی ہے:

1. نظریاتی بنیاد: استشراقی نگارشات کے ذریعے جنم لینے والا فکری شعور اور اس کے اثرات۔
2. سیاسی پہلو: وہ سیاسی ایجنڈے اور پروگرام جو جدید دور میں مصنوعی جغرافیوں (artificial geographies) کی تشکیل سے جڑے ہوئے ہیں، جیسا کہ جنگ عظیم دوم کے بعد ہوا۔
3. معاشی پہلو: بڑے مالیاتی اور صنعتی اجارہ دار، اداروں (monopolies) کے مفادات، جو زیادہ تر وہی ہیں جو پالیسی سازی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔

اس تحقیق کی انفرادیت یہ ہے کہ یہ استشراق اور مشرق سے متعلق اس کے تصورات کو بیسویں صدی کی تدبیری فکر (strategic thinking) سے جوڑتی ہے۔ اسی تدبیری فکر نے استشراق کی علمی پیش رفت کی راہ ہموار کی۔ جنگ عظیم دوم کے بعد، جغرافیائی تشکیل نو (geographical reformulation) اور تدبیری فکر کی قیادت میں "مشرق وسطیٰ" (Middle East) "جیسے نئے تصورات کی پیدائش استشراقی ڈسکورس کے ساتھ

ہم آہنگ تھی۔ اس بحران نے ایک نئے علمی رجحان کی صورت میں جنم لیا، جس کی پرورش امریکی جیو پالیٹیکل وژن کے تحت ہوئی، اور جس کا ظہور امریکہ کی جنگ عظیم دوم کے بعد کی عالمی برتری کے عروج پر ہوا۔

### اینگلو-امریکن مکتب استشرق کی خصوصیات

یہ مکتب فکر مشرق اور پھر مشرق وسطیٰ پر برطانیہ اور امریکہ کی جانب سے مسلط کردہ نوآبادیاتی حقیقت سے جڑا ہوا ہے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ روایتی عسکری استعمار (traditional military colonialism) اور جدید ثقافتی استعمار (contemporary cultural colonialism) دونوں کا ایجنڈا یکساں ہے، اور یہ یورپ اور امریکہ میں صنعتی معاشروں کے ظہور سے منسلک ہیں<sup>25</sup>۔ برطانوی استشرق کو فرانسیسی استشرق سے ممتاز کرنے والی سب سے اہم چیز برطانیہ اور مشرق کے درمیان ایک گہرا اور پیچیدہ تعلق ہے۔ جب 1801 میں فرانس نے مصر سے دستبرداری اختیار کی تو یہ خطہ عثمانی سلطنت کے الہانی نژاد سپہ سالار محمد علی کے زیر اقتدار آ گیا، جنہوں نے مصری معیشت کی مکمل تشکیل نو کا منصوبہ بنایا۔ تاہم، ان کی یہ کوشش الٹ ثابت ہوئی، کیونکہ کپاس کی پیداوار میں اضافے نے مصر کو عالمی معیشت میں یورپ کے محور کے طور پر ضم کر دیا، جس حقیقت کو محمد علی مسلسل نظر انداز کرتے رہے۔ 1869 میں نہر سویز کے افتتاح نے مصر کو برطانوی اقتصادی حکمت عملی میں ایک مرکزی مقام دے دیا۔ اس کے بعد مصر پر برطانوی اقتصادی دباؤ بڑھتا گیا، یہاں تک کہ 1882 میں برطانیہ نے براہ راست مصر پر قبضہ کر لیا۔ مصر پر برطانوی تسلط 1922 میں کم ہونا شروع ہوا، اور 1936 میں مزید سکڑ کر رہ گیا۔ آخر کار، 1956 میں برطانیہ کا آخری فوجی مصر سے روانہ ہوا، جس کا سبب صدر جمال عبدالناصر اور برطانیہ کے درمیان طے پانے والا انخلا کا معاہدہ تھا۔ تاہم، برطانیہ چند ماہ بعد دوبارہ مصر پر حملہ آور ہوا، جب اس نے فرانس اور اسرائیل کے ساتھ مل کر نہر سویز کی قومیا نے (nationalization of the Suez Canal) کے رد عمل میں حملہ کیا<sup>26</sup>۔

25 Tayyeb Tayzini, *From Tradition to Revolution: On a Proposed Theory of the Arab Tradition*, 2nd edn. (Beirut: Dar Ibn Khaldun, 1978), vol. 1, p. 193.

26 Zachary Lockman, *Contending Visions of the Middle East: The History and Politics of Orientalism*, Arabic translation by Sherif Younis (Cairo: Shuruq, 2007), pp. 136-7.

اس وقت، جب جمال عبدالناصر نے نہر سویز کو قومی ملکیت میں لیا، تو برطانیہ نے اپنی گرتی ہوئی طاقت کو محسوس کیا اور اس کے جواب میں سہ فریقی جارحیت (Tripartite Aggression) کا ارتکاب کیا۔ اس کے برعکس، امریکہ نے برطانیہ اور فرانس کی نوآبادیات پر اپنی گرفت برقرار رکھنے کی بے لگام خواہش کی حمایت نہیں کی۔ امریکی صدر آئزن ہاور نے مداخلت کرتے ہوئے برطانیہ اور فرانس کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا۔<sup>27</sup> یہ پس منظر اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ برطانیہ نے مشرقی دنیا میں کس طرح اپنا کردار ادا کیا، امریکہ نے کس طرح اس سے طاقت وراثت میں حاصل کی، اور اس کا اینگلو-امریکن استشراق کی مجموعی نوعیت پر کیا اثر پڑا۔ خاص طور پر برطانیہ کے لیے استشراق محض ایک علمی سرگرمی نہیں تھی، بلکہ نوآبادیاتی منطق (logic of imperialism) کا ہی ایک تسلسل تھی، جیسا کہ وہ خلیج کے خطے سمیت پورے مشرق میں موجود رہا۔<sup>28</sup>

مشرق اور ماہر بشریات، رائیل پاتائی کا کہنا کہ "عرب محققین کی جانب سے استشراق پر کی جانے والی تنقید دراصل عربوں کی تکبرانہ سوچ کا نتیجہ ہے۔ اور عربوں کا یہ گمان کہ مستشرقین اپنے ممالک کی وزارت خارجہ کے ایجنٹ ہیں جو دانستہ طور پر عرب تاریخ کو مسخ اور غلط انداز میں پیش کرتے ہیں"، بلا جواز ہے۔ اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ استشراق کی عمومی مفروضات اور خاص طور پر مغربی حکومتوں کے نظریات، نیز ان کے پالیسی سازوں کے درمیان ایک گہرا تعلق ہے۔ یہ پالیسی ساز اپنے فیصلے مخصوص خطوں، ان کی زبانوں، رسم و رواج اور ثقافتوں کے متعلق دستیاب اعداد و شمار اور تعبیرات کی بنیاد پر کرتے ہیں، چاہے یہ تعبیرات کتنی ہی خلاف حقیقت ہوں۔ بعض مستشرقین نے اعتراف کیا ہے کہ ان کے ممالک کے سرکاری ادارے استشراقی سرگرمیوں اور مطالعات کی سرپرستی کرتے رہے ہیں۔ اس حوالے سے فرانسیسی فلسفی رولان بارتھ نے کہا:

"We all enjoy these regimes, we gratefully admit that society as represented by governments and parliaments places at our disposal the required means to carry out

27 Hassan Mosdak, Dimensions of the Franco-American Conflict over Morocco, the Middle East and Africa, Wujhat Nazar Pamphlets 8 (Rabat: Wujhat Nazar Pamphlets, 2005), pp. 152-3.

28 Andrew Edgar and Peter Sedgwick, Cultural Theory: The Key Concepts, translated by Mohammed al-Jawhari and Hana al-Jawhari (Cairo: National Center for Translation, 2009), pp. 43-4.

Orientalist research and to continue our educational activity.”<sup>29</sup>

"ہم سب ان حکومتوں کے مرہونِ منت ہیں، اور اعتراف کرتے ہیں کہ معاشرہ، جو حکومتوں اور پارلیمان کے ذریعے نمائندگی حاصل کرتا ہے، ہمیں استشراتی تحقیق اور تعلیمی سرگرمیوں کے لیے تمام ضروری وسائل فراہم کرتا ہے۔"

اسی طرح 1639 میں کیمرج یونیورسٹی کے حکام کو ایک یادداشت میں، عربی اور اسلامی علوم کی تدریس کے لیے ایک مسند (چیمبر) قائم کرنے کی درخواست کرنے والے اسکالرز نے لکھا:

“The center has in mind to serve the interests of king and country by working to make trade with the lands of the East flourish and to expand the borders of the Church and spread Christianity among those who still remain in the darkness of ignorance”<sup>30</sup>.

"یہ مرکز بادشاہ اور ملک کے مفادات کی خدمت کے لیے کام کرے گا، تاکہ مشرقی ممالک کے ساتھ تجارتی روابط کو فروغ دیا جاسکے، کلیسا کی سرحدوں کو وسعت دی جاسکے، اور ان لوگوں میں عیسائیت کو پھیلا یا جاسکے جو ابھی تک جہالت کے اندھیروں میں ہیں۔"

یہ شواہد اس حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں کہ برطانوی استشرق کا ایک سیاسی پس منظر تھا۔ اس مکتب فکر کی ترجیحات میں سیاسی مفادات شامل تھے، اور اس کا بنیادی مقصد سلطنتِ برطانیہ کے پالیسی سازوں کے لیے علمی معلومات فراہم کرنا تھا۔ مغربی دنیا میں ہمیشہ سے یہ رجحان موجود رہا ہے کہ پالیسی ساز علمی تحقیق کو سننے اور اس کی روشنی میں فیصلے کرتے ہیں، خواہ بعض عرب مفکرین استشرق کو محض علمی ترقی کا ایک میدان سمجھتے ہوں<sup>31</sup>۔ تاہم، اس نقطہ نظر کو رد کرنے کے لیے کئی مثالیں موجود ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ متعدد مستشرقین نے اپنی تحقیقات براہ راست اپنے سیاسی

<sup>29</sup> Mohammed Fathallah al-Ziyadi, The Spread of Islam and the Position of Some Orientalists on it. pp. 84-85.

<sup>30</sup> Ibid.

<sup>31</sup> Abdel Muta'al Mohammed al-Jabri, Orientalism, the Intellectual Face of Colonialism: A Study of the History, Aims, and Methods of Orientalism Hidden in the Intellectual Attack on Islam (Cairo: Maktabat Wahba, 1995), p. 126.

رہنماؤں کو پیش کیں۔ مثال کے طور پر، انگریز مستشرق ایڈورڈ ولیم لین<sup>32</sup> 1825 میں مصر آئے تاکہ عربی زبان کا مطالعہ کریں۔ بعد میں وہ قاہرہ میں مقامی لوگوں کی زندگی کا مشاہدہ کرنے کے لیے دوبارہ واپس آئے۔ لین نے خود کو مکمل طور پر اس کام کے لیے وقف کر دیا اور قاہرہ کے باشندوں نے انہیں "منصور افندی" کا خطاب دیا۔ اس تحقیقی کام کا نتیجہ 1836 میں شائع ہونے والی کتاب *Manners and Customs of the Modern Egyptians* کی صورت میں نکلا، جو انگلینڈ، جرمنی، اور امریکہ میں بڑے پیمانے پر پڑھی گئی۔ اس کتاب کا استعمال بعد میں مصر پر برطانوی حملے اور قبضے کی تیاری میں کیا گیا<sup>34</sup>۔ برطانوی سلطنت کے ایجنٹوں نے جس طریقہ کار کو اپنایا، وہ ان ممالک کی زندگی اور ثقافت کے مطالعے کی اہمیت کے گرد گھومتا تھا جو نوآبادیاتی اثر و رسوخ میں تھے۔ 1873 میں پہلے

ایڈورڈ ولیم لین (September 1801 – 10 August 17) (Edward William Lane) 1876) معروف برطانوی مستشرق، مترجم، اور لٹریچر ماہر تھے۔ وہ جدید مصریوں کے آداب و رسوم (*Manners and Customs of the Modern Egyptians*)، عربی-انگریزی لغت (Arabic-English Lexicon)، اور ہزار و یک شب (*One Thousand and One Nights*) کے ترجمے کے لیے مشہور ہیں۔ 1825 میں، لین عربی زبان و ثقافت کے مطالعے کے شوق میں مصر گئے۔ انہوں نے قاہرہ میں شیخ محمد عیاد الطنطاوی سے عربی تعلیم حاصل کی اور مصریوں کے رہن سہن، ثقافت، اور تاریخی مقامات پر تحقیق کی۔ ان کی کتاب *Description of Egypt* جو 2000 میں شائع ہوئی، قدیم مصر، دریائے نیل، زراعت، اور محمد علی پاشا کی تاریخ پر تفصیلی تحقیق پر مبنی تھی۔ لین کی تصنیف *Manners and Customs of the Modern Egyptians* (1836) انیسویں صدی کے مصری معاشرے کا ایک نایاب تحقیقی جائزہ ہے، جو آج بھی ایک مستند حوالہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کتاب میں مصریوں کے روزمرہ کے معمولات، مذہبی و ثقافتی رسومات، اور معاشرتی زندگی کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ انہوں نے ہزار و یک شب (*One Thousand and One Nights*) کا ترجمہ کیا، جو 1838 سے 1840 تک قسط وار شائع ہوا۔ اگرچہ ان کے ترجمے کو مستند اور محققانہ سمجھا جاتا ہے، مگر اس پر ادبی رنگ میں مبالغہ آرائی اور بعض مندرجات میں تحریف کے الزامات بھی لگے۔ 1842 کے بعد، لین نے اپنی زندگی عربی-انگریزی لغت (*Arabic-English Lexicon*) کی تیاری کے لیے وقف کر دی، جو عربی زبان کے الفاظ اور معانی پر ایک جامع علمی ذخیرہ ہے۔ وہ اپنی وفات تک اس لغت پر کام کرتے رہے، مگر اسے مکمل نہ کر سکے۔ بعد ازاں، ان کے بچپن کے ساتھی سیٹھ لیون پل نے ان کے نوٹس کی بنیاد پر اسے مکمل کیا۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

.1978-Ahmed, Leila. Edward W Lane. London: Longman

- 33 Edward William Lane, *Manners and Customs of the Modern Egyptians* (London: John Murray, 1836),
- 34 Abdel Muta'al Mohammed al-Jabri, *Orientalism, the Intellectual Face of Colonialism: A Study of the History, Aims, and Methods of Orientalism Hidden in the Intellectual Attack on Islam*. p. 126

مستشرقین کے کانگریس میں، برطانوی سلطنت کے سرکاری اہلکاروں نے علم کی سیاسی اہمیت کو اجاگر کیا، کیونکہ یہ طاقت اور غلبے کے بنیادی اجزاء میں سے ایک تھا۔ اگرچہ استشرقیت بنیادی طور پر سیاسی نوعیت کی حامل تحریک تھی اور بظاہر زبانوں میں دلچسپی اور مغربی علمی اداروں کے سفر کے ایک فریم ورک میں پروان چڑھی، جس کی بنیاد مغربی توسیع پسندانہ رجحانات کے آغاز کے ساتھ جڑی تھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک فکری اور علمی رجحان بھی موجود تھا جو انفرادی ارادوں کے ذریعے پروان چڑھا، جیسا کہ جان ویسٹ لیک نے اپنی کتاب Chapters on the Principles of International Law<sup>35</sup> میں پیش کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ استشرقیت اور سیاست نے ایک دوسرے کی مدد کی۔ لیکن جو بات اہم ہے وہ یہ کہ اگرچہ "مغربی اور مشرقی تہذیبوں کے تصادم" کو مکمل طور پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، تاہم مثبت پہلو کے طور پر، اسے دونوں تہذیبوں کے باہمی تعارف اور مفید و تعمیری علم کے حصول کے تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ کئی نمایاں مستشرقین جنگ، نوآبادیاتی نظام، تجارت اور سیاست کے خدمت گار رہے۔ اسی تناظر میں ایولن بیرنگ (1841-1917)، جو "ارل آف کرومر" کے لقب سے مشہور تھے اور برطانوی محافظت کے دور میں مصر کے کنٹرولر جنرل اور برطانوی نمائندے کے طور پر خدمات انجام دے چکے تھے، نے اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد<sup>36</sup> Modern Egypt کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب میں انہوں نے تین دہائیوں کے دوران مصر میں پیش آنے والے واقعات کی تفصیلی وضاحت کی اور برطانوی قبضے کا تجزیہ پیش کیا<sup>37</sup>۔

کچھ ماہرین کا ماننا ہے کہ برطانوی استشرقیت، دیگر مکاتب فکر کے مقابلے میں زیادہ معروضیت، بصیرت، گہرائی اور صبر و تحمل سے نتائج حاصل کرنے میں ممتاز رہا ہے<sup>38</sup>۔ لیکن حقیقت میں یہ برطانوی مفادات کی وسعت کا نتیجہ تھا، جو

35 John Westlake, Chapters on the Principles of International Law (Cambridge: Cambridge University Press, 1894)

36 Lord Cromer (Evelyn Baring), Modern Egypt (London: Macmillan, 1908)

37 Zachary Lockman, Contending Visions of the Middle East: The History and Politics of Orientalism, Arabic translation by Sherif Younis, p. 165

38 Ahmed Smilovich, The Philosophy of Orientalism and Its Effect on Modern Arab Literature, p. 223

مشرق میں فرانسیسی مفادات سے کہیں زیادہ تھے<sup>39</sup>۔ بیسویں صدی کے برطانوی سیاحوں کو برطانیہ اور ہندوستان — جو ان کے لیے ایک مستقل حقیقت تھی — اور مشرق وسطیٰ یا لیونٹ<sup>40</sup> کے درمیان سیاسی تعلقات کی تشکیل کا جنون لاحق تھا۔ یہاں تک کہ ان میں سے کچھ کے ادبی تخلیقات، جیسے ڈزرائیلی کی<sup>41</sup> Tancred، بھی اسی نظریے کی عکاسی کرتی ہیں۔ برطانوی مستشرقین، مقاصد کے لحاظ سے دو گروہ رہے ہیں: سامراجی مستشرقین، جیسے لارنس<sup>42</sup>، ایڈورڈ ہنری پامر<sup>43</sup>، ہوگارٹھ<sup>44</sup> اور برٹن<sup>45</sup>، نے مشرق میں اپنی رہائش کو علمی مشاہدے کے لیے استعمال کیا، تاہم انہوں

39 Edward W. Said, *Orientalism* (New York: Pantheon Books, 1978), p. 203.

لیونٹ ایک تاریخی اور جغرافیائی اصطلاح ہے جو مشرقی بحیرہ روم کے علاقے کو ظاہر کرتی ہے، جو آج کل عموماً سوریہ، لبنان، اردن، فلسطین، اسرائیل، اور کبھی کبھار ترکی، عراق اور مصر کے کچھ حصوں کو شامل کرتا ہے۔ یہ اصطلاح فرانسیسی لفظ lever سے آئی ہے جس کا مطلب ہے "طلوع ہونا"، اور یہ مشرق میں سورج کے طلوع ہونے کی سمت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ تاریخی طور پر، لیونٹ مختلف تہذیبوں کا سنگم رہا ہے، جن میں فینیقی، اشوری، بابلی، فارسی، یونانی، رومی، بازنطینی اور عثمانی شامل ہیں۔ یہ تجارتی، مذہبی، اور ثقافتی تبادلے کا ایک اہم مرکز تھا، جہاں دمشق، یروشلم، بیروت، اور حلب جیسے تاریخی شہر واقع تھے۔ موجودہ دور میں، "لیونٹ" اصطلاح کو بعض اوقات سیاسی اور تاریخی بحثوں میں استعمال کیا جاتا ہے، خاص طور پر فرانس اور برطانیہ کے نوآبادیاتی مینڈیٹس کے حوالے سے یا وسیع تر مشرق وسطیٰ کے مطالعے میں۔ یہ فوجی اور سیاسی مکالمات میں بھی استعمال ہوتی ہے، جیسے کہ آئی ایس آئی (اسلامک اسٹیٹ آف عراق ایبڈی لیونٹ) کے مخفی میں۔

40

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: Oxford English Dictionary, "Levant, n," in Oxford English Dictionary, 3rd ed. (Oxford: Oxford University Press, 2011).

41 Benjamin Disraeli, *Tancred: Or, The New Crusade* (London: Henry Colburn, 1847)

لارنس (T.E. Lawrence): 16 اگست 1888–19 مئی 1935۔ نامس ایڈورڈ لارنس "لارنس آف عربیا" کے طور پر مشہور ہیں۔ ان کا شمار برطانوی فوجی افسران اور محققین میں ہوتا ہے جنہوں نے عرب بغاوت میں حصہ لیا اور عرب دنیا کے بارے میں اپنی تحریروں کے ذریعے مغربی دنیا کی توجہ حاصل کی۔

43 ایڈورڈ ہنری پامر (Edward Henry Palmer): 7 اگست 1840–18 ستمبر 1882۔ ایڈورڈ ہنری پامر ایک برطانوی مستشرق تھے جنہوں نے عربی زبان اور اسلامی ثقافت پر تحقیق کی۔ وہ عربی ادب، لغات اور اسلامی تاریخ پر لکھنے والے تحریروں کے لیے مشہور ہیں۔

44 ہوگارٹھ (Sir Arthur Thomas Hadley Hogarth): 24 جولائی 1861–6 فروری 1939۔ سر آرچر تھامس ہیڈلی ہوگارٹھ ایک برطانوی مستشرق اور محقق تھے جنہوں نے مشرقی دنیا، بالخصوص عربی اور فارسی ادب پر کام کیا۔ ان کا تحقیقی کام اسلامی تمدن اور تاریخ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے میں اہمیت رکھتا ہے۔

45 برٹن (Richard Burton): مارچ 1821–20 اکتوبر 1890۔ سر رچرڈ برٹن ایک برطانوی افسر، مستشرق اور محقق تھے جنہوں نے مختلف زبانوں اور ثقافتوں کا مطالعہ کیا، خصوصاً عربی، فارسی اور ہندوستانی زبانوں پر ان کی تحقیق اہم سمجھی جاتی ہے۔ وہ اپنے سفر ناموں اور تحقیقی کاموں کی وجہ سے مشہور ہوئے۔

نے اپنی ذاتی جانبداری کو ترک نہیں کیا۔ دوسری طرف، یورپین برٹش، جن کا رجحان یہ تھا کہ مشرقی دنیا میں دستیاب علم کو حاصل کیا جائے، لیکن صرف اس وجہ سے کہ وہ یورپی تھے۔ یعنی، ان مستشرقین نے مشرق میں یورپی بننے کی کوشش کی، جبکہ مشرق کو ایک ایسی جگہ کے طور پر دیکھا جہاں یورپ کا تسلط قائم ہے۔

استشرق کے بحران<sup>46</sup> کے کئی اسباب تھے، جن میں سب سے اہم خود موضوع (مشرق) کی نوعیت تھی، جو دوسری جنگ عظیم کے بعد یورپی اسکالرز کے لیے اتنا اجنبی نہیں رہا جسے سمجھنے کے لیے روایتی علم کی ضرورت ہو، نیز مشرق اب عسکری لحاظ سے یورپی نوآبادیاتی حکمرانی میں نہیں تھا<sup>47</sup>۔ اس کے علاوہ، مشرق کی کوئی حقیقی جغرافیائی موجودگی بھی نہیں تھی، کیونکہ بنیادی طور پر یہ مغربی یورپی—امریکی تصور کا نتیجہ تھا۔ حتیٰ کہ اسلام، جسے مغربی مفکرین مشرق سے جوڑتے ہیں، انہی مذاہب میں سے ایک ہے، جن میں مسیحیت بھی شامل ہے، جسے خود مغرب نے اپنایا۔ مشرق سے منسلک کئی شہر، جیسے قسطنطنیہ، درحقیقت جغرافیائی طور پر یورپ میں واقع ہیں۔ ان اور دیگر وجوہات

46 The term "Crisis of Orientalism" refers to a period of critical reevaluation and challenge to the field of Orientalism, particularly the way Western scholars and intellectuals studied, represented, and constructed knowledge about the East (especially the Middle East, Asia, and North Africa). The term became widely discussed after the publication of Edward Said's book *Orientalism* (1978), which argued that the study of the Orient by Western scholars had been influenced by colonialism, imperialism, and political agendas, rather than an objective or unbiased pursuit of knowledge. The "crisis" in this context means the unveiling of the ideological and political underpinnings that shaped much of Orientalist scholarship. Said argued that Orientalism was not just a field of academic study, but a powerful discourse that helped justify and sustain Western domination over the East. This "crisis" arose when scholars began questioning the assumptions and biases inherent in Orientalist thought, and when postcolonial critiques started challenging the legitimacy and ethical implications of Western representations of Eastern cultures, religions, and peoples.

"استشرق کا بحران" اس دور کو کہا جاتا ہے جب استشرق پر باقاعدہ فکری اور منہجی تنقید شروع ہوئی، بالخصوص اس پر کہ مغربی دانشوروں اور اسکالرز نے مشرق (خاص طور پر مشرق وسطیٰ، ایشیا، اور شمالی افریقہ) کے بارے میں جو علم حاصل کیا اور پیش کیا، اس کے ذرائع اور اہداف کیا تھے؟۔ یہ اصطلاح ایڈورڈ سعید کی کتاب استشرق (1978) کی اشاعت کے بعد وسیع پیمانے پر زیر بحث آئی، جس میں سعید نے یہ موقف اپنایا کہ مغربی اسکالرز کا مطالعہ مشرق غیر جانب دار علم و تحقیق کی بجائے، نوآبادیاتی، سامراجی اور سیاسی ایجنڈوں کے زیر اثر تھا۔ "بحران" کا مطلب یہ تھا کہ استشرقی فکر کی نظریاتی اور سیاسی بنیادوں کو بے نقاب کیا گیا جو استشرقی اسکالرشپ کی تشکیل کرتی تھیں۔ سعید کا کہنا تھا کہ استشرق محض ایک تعلیمی شعبہ نہیں تھا، بلکہ ایک طاقتور بیانیہ تھا جو مغرب کی مشرق پر حاکمیت کو جواز فراہم کرتا تھا۔ گویا "بحران" اس وقت پیدا ہوا جب دانشوروں نے استشرق کے مفروضوں اور تعصبات پر سوال اٹھانا شروع کئے، اور مابعد نوآبادیاتی نظریوں نے مشرقی ثقافتوں، مذاہب، اور عوام کی مغربی نمائندگیوں کی قانونی حیثیت اور اخلاقی پہلوؤں کو چیلنج کیا۔

See for details: Bhabha, Homi K. "The Crisis of Orientalism." In *The Location of Culture*, London: Routledge, 1994. pp. 57-66

47 Janosh Danitski, "Orientalism Between East and West," translated by Adnan Mubarak, *Al-Istishraq*, no. 1 (January 1987), p. 51.

کی بنا پر، استشرق کے کئی ماہرین کا ماننا ہے کہ فیلڈ ورک کی طرف رجحان کے ساتھ ہی استشرق کا خاتمہ ہو گیا، اگرچہ اس کی اصل روح نئے علمی ڈھانچوں میں بدستور برقرار رہی<sup>48</sup>۔

امریکی مفادات کے مشرق وسطیٰ میں بڑھنے کے ساتھ ساتھ، 1950 کی دہائی میں مشہور مستشرق ہملٹن گب (Hamilton Gibb) کے ہارورڈ سینٹر فار ملڈل ایسٹرن اسٹڈیز کے ڈائریکٹر بننے سے اس میدان میں مزید پیچھے ہٹنے کا رجحان دیکھنے میں آیا۔ اس کو امریکہ میں ملڈل ایسٹ اسٹڈیز پر مزید تخصیصی مراکز کے قیام کو ممکن بناتے دیکھا گیا<sup>49</sup>۔ یہ نیا رجحان، جسے امریکہ میں ایریا اسٹڈیز (Area Studies) کہا جانے لگا، Crises of Orientalism کا نتیجہ تھا۔ اس بحران کی خصوصیات کو 1963 میں شائع ہونے والے انور عبدالمالک کے ایک معروف مضمون میں بیان کیا گیا ہے، جس میں انہوں نے وضاحت کی کہ امریکی ماہرین نے ایسے علمی مناہج (cognitive models) اپنانے شروع کیے جو ایک مضبوط عرب قوم پرستی کی تحریک اور دوسری جنگ عظیم کے بعد ہونے والی تبدیلیوں کے تناظر میں تھے<sup>50</sup>۔ امریکی علمی حلقوں میں "Orientalism" یا استشرق کا لفظ بتدریج غائب ہونے لگا اور اس کی جگہ متعلقہ مطالعات سے متعلق، وضاحتی اصطلاحات نے لے لی۔ 29 ویں بین الاقوامی مستشرقین کانگریس میں، شرکاء نے اس اصطلاح کو ختم کرنے کی ضرورت پر اتفاق کیا تاکہ بین الاقوامی تبدیلیوں اور مشرقی اقوام کی جدوجہد کے ارتقا کے مطابق چلا جاسکے۔ اس کے بعد ہونے والی کانگریس کو انٹرنیشنل کانگریس آف ایشین اینڈ نارٹھ افریکن اسٹڈیز کا نام دیا گیا، اور استشرق کو تاریخ، سماجیات، بشریات، معاشیات، سیاست، تقابلی سماجیات اور ترقی جیسے مختلف علمی شعبوں میں تقسیم کر دیا گیا<sup>51</sup>۔

امریکی استشرق کی بطور ملتہ فکر، تشکیل اور ارتقا:

دوسری جنگ عظیم کے بعد، امریکی استشرق نے تحقیقی جدت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ امریکی علمی اور فکری منظر نامے میں اسلام اور مسلمان کی حیثیت ایک کلیدی تصور بن گئی، جس کا احیاء ایک جدید اور مخصوص اینگلو-امریکی

48 Khalil Samaan, "Orientalism and Orientalists," Al-Lisan All-Arabiya, no. 20 (1983), p. 191.

49 Mohammed Jasim al-Mawsuei, Orientalism in Arab Thought (Cairo: General Egyptian Book Organization, 1993), pp. 36-37

50 Ibid. pp. 45-48.

51 Nasr Mohammed Arif, Contemporary Political Theories of Development: A Comparative Critical Study from the Perspective of Islamic Civilization (Cairo: Dar Al-Qari Al-Arabi, [1981]), p.135.

طریقہ کار کی بنیاد پر ہوا، جو معاشرتی علوم سے متعلق تھا۔ اس نئے علمی زاویے نے روایتی استشرق کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا، جو درحقیقت پرانے استعماری اور علمی رجحانات کی ہی توسیع تھی۔ اسی دوران، امریکی علمی اور کاروباری دنیا میں عربوں کی موجودگی بڑھنے لگی، جو خطے میں طاقت کے نئے مظہر کی عکاسی تھی۔ برطانیہ اور فرانس بین الاقوامی سیاست میں اپنی برتری کھو چکے تھے، جبکہ امریکہ نے اپنے ریاستی ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے نئے علمی میدان اور اس کی ذیلی شعبوں کو فروغ دیا۔ امریکہ نے ایسے ماہرین تیار کیے جو خود کو مختلف خطوں کے بارے میں علم رکھنے والے اور تجربہ کار ظاہر کرتے تھے، اور ان کا علم و تحقیق حکومتوں اور تجارتی حلقوں کے لیے دستیاب ہوتا تھا<sup>52</sup>۔ امریکی استشرق کی سب سے بڑی علمی و تحقیقی شراکت یہ تھی کہ اس نے استشرق کو محض فلاولوجی (لسانیات) کی ایک شاخ سے نکال کر ایک سائنسی اور عملی علم کی شکل دے دی۔ مشرق سے متعلق مبہم نظریات کو تحلیل کر کے سماجی علوم کے ایک مخصوص شعبے میں تبدیل کر دیا۔ اس دور کے مستشرقین مشرقی زبانیں سیکھنے کے بجائے سماجی ماہرین بنے، جو مشرق کے بارے میں علمی تحقیق کرتے اور اس تحقیق کو خود مشرق پر لاگو کرتے تھے۔ قبل ازیں، امریکہ میں مشرق پر تحقیق زیادہ تر ناپختہ اور بکھری ہوئی تھی، اور یہ زیادہ تر مارک ٹوین (1835 تا 1910ء)<sup>53</sup> جیسے مصنفین کے سفر ناموں تک محدود تھی۔ تاہم، جنگ عظیم دوم کے بعد، امریکہ نے مشرق وسطیٰ کے مطالعے کو نہ صرف سیاسی، بلکہ سائنسی اور عملی پہلوؤں سے بھی استوار کیا، جس سے اس کے سامراجی عزائم کو مزید تقویت ملی۔

52 Edward W. Said, Orientalism. p. 285.

53 سیوسل لیٹنگورن کلیمنس (Samuel Langhorne Clemens) المعروف مارک ٹوین (Mark Twain) مشہور امریکی مصنف، مزاح نگار، اور مضمون نگار تھے۔ معروف ناول نگار ولیم فاکنر (William Faulkner) نے انہیں "امریکی ادب کا باپ" کہا۔ ان کے مشہور ناولوں میں دی ایڈونچرز آف ٹام سائر (The Adventures of Tom Sawyer) اور اس کا تسلسل ایڈونچرز آف ہکلیری فن (Adventures of Huckleberry Finn) شامل ہیں، جسے اکثر "عظیم امریکی ناول" کہا جاتا ہے۔ دیگر نمایاں تصانیف میں اے کنیکٹیٹ یا کی ان کنگ آر تھر ز کورٹ (A Pudd'nhead in King Arthur's Court) اور پڈن ہیڈ ولسن (Pudd'nhead Wilson) شامل ہیں۔ مشہور مصنف ارنسٹ ہیمنگوے (Ernest Hemingway) کا کہنا تھا کہ "سارا جدید امریکی ادب مارک ٹوین کے ہکلیری فن سے نکلا ہے۔"

مزید تفصیل کے لئے دیکھیں:

Churchwell, Sarah. "Mark Twain: Not an American but the American." The Guardian, October 29, 2010.

امریکی استشرق، بنیادی طور پر برطانوی استشرق کا ارتقائی تسلسل ہے۔ اس کی جڑیں انگلش اور لبنانی تارکین وطن نے امریکہ میں ڈالیں۔ انہوں نے تحقیق کے طریقہ کار اور انداز کو وضع کیا جس نے امریکیوں میں عربی اور اسلامی مطالعات کے لیے جستجو کو بڑھایا۔ یہ امریکی استشرقی مکتب فکر، مشرق ریاستوں کے سیاسی حالات، نظریاتی تصورات، فنون لطیفہ، ثقافتی دولت، آبادیاتی حالات، وغیرہ میں دلچسپی رکھتے تھے<sup>54</sup>۔ امریکی استشرق، ایسے ثقافتی سیاق و سباق میں پروان چڑھا ہے جو مشرقی ثقافت سے متاثر تھا، اور ساتھ ہی امریکی فلسفہ کی کوشش تھی کہ وہ اپنے یورپی اثر سے آزاد ہو کر غیر یورپی روایات کی طرف متوجہ ہو<sup>55</sup>۔ بعض محققین کا کہنا ہے کہ امریکی استشرق کی جڑیں مسلمانوں کے خدا اور مذہب کے متعلق امریکی تصورات میں پوشیدہ ہیں، اس بات کو نظر انداز کیے بغیر کہ مسلم تارکین وطن نے اس بنیاد کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ صورت حال امریکی آزادی کے بعد کی تھی جب امریکہ کو خدا کی علامتی بادشاہی میں تبدیل کر دیا گیا، جو کہ مسلمانوں کے خدا اور نبی عربی ﷺ کے حوالے سے امریکیوں کے منفی تصورات پر اثر انداز ہوا۔ جب مغربی اسٹریٹیجک سوچ میں تبدیلی آئی اور مشرق، نئے خطوں میں تقسیم ہو رہا تھا، مثلاً مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ، اور ایشیا کے ذیلی خطے، تو ان اصطلاحات کا استعمال مغربی دنیا اور پھر عرب دنیا میں عام ہو گیا۔ اس وقت، برنارڈ لیوس نے عرب دنیا میں ان نئے اصطلاحات کے استعمال پر حیرانی کا اظہار کیا، بالخصوص جبکہ یہ مقامی لوگوں کے لیے اب قابل قبول ہو چکا تھا کہ وہ "مشرق" کے بجائے ان نئے اصطلاحات کا استعمال کریں، جو کہ بہت قدیم تھی۔ درحقیقت، یہ ایک غیر مستحکم تصور رہا ہے جو اپنی ابتدا سے لے کر آج تک مختلف شکلوں میں نئی تعبیرات کے ساتھ پیش کیا جاتا رہا ہے۔

چنانچہ، استشرقی بحران کے ماحول میں، قدیم مناہج کا ارتقاء اور نئے موضوعات کا تعین — یہاں تک کہ استشرق کے ماضی کو فراموش کرنے کی جدوجہد — وہ تمام وجوہات تھیں جنہوں نے بڑے بڑے مستشرقین کو نئی فکری پناہ گاہیں تلاش پر مجبور کیا۔ البتہ قابل غور امر یہ ہے کہ کیانئے تصورات جو بالخصوص دوسری جنگ عظیم کے بعد، امریکی پالیسیز کے نتیجے میں پیدا ہوئے، کس حد تک ان مستشرقین کو فکری پناہ گاہیں فراہم کرنے میں کامیاب ہوئے؟

اینگلو-امریکن جغرافیائی پالیسیوں کے تناظر میں "مشرق وسطیٰ" اور دیگر اصطلاحات کی ابتداء:

54 Ahmed Smilovich, The Philosophy of Orientalism and Its Effect on Modern Arab Literature. Cairo: Dar El-Fikr Al-Arabi, 1998. p.224.

55 J. J. Clarke, Oriental Enlightenment: The Encounter Between Asian and Western Thought, translated by Shawki Jalal, Alam al-Marifa 346 (Kuwait: National Council for Culture, Arts and Literature, 2007), p. 185.

بیسویں صدی کے آغاز سے ہی، مشرق کے مغربی محققین نے مشرق کے تصور بارے ایک مبہم تصور کا سامنا کیا۔ ایک نئی اصطلاح، "مشرق وسطیٰ" کے ساتھ ساتھ کچھ دیگر اصطلاحات جیسے "Near East" اور "Far East" سامنے آئیں۔ مشرق وسطیٰ کے ابھرنے کا تعلق امریکی نیوی کیپٹن ایلفرڈ تھیئر مہان<sup>56</sup> (1840-1914) سے ہے، جنہوں نے 1902 میں اپنے نظریہ تاریخ پر بحری طاقت کے اثرات کے تناظر میں اس اصطلاح کو انگلو-امریکی اسٹریٹجک سوچ میں متعارف کرایا۔ مہان نے برطانوی نیشنل ریویو میں ایک مضمون "The Persian Gulf and International Relations"<sup>57</sup> لکھا۔ ان کا اہم خیال یہ تھا کہ اگر برطانیہ کو ہندوستان پر حکمرانی کرنی ہے تو اسے خلیج کی طرف جانے والے راستے پر قابو پانا ہوگا۔ اس طرح انہوں نے برطانیہ کی توجہ خلیج کی اہمیت کی طرف مبذول کرائی، اور خبردار کیا کہ روس اسے ہڑپ کر سکتا ہے، جس سے ہندوستان تک پہنچنے والا شاہی راستہ منقطع ہو جائے گا۔ جب مہان نے یہ اصطلاح وضع کی، تو وہ اس بات کا حوالہ دے رہے تھے جو انہوں نے چینی-جاپانی جنگ کے دوران مشرقی ایشیا کے بارے میں لکھا تھا جب برطانیہ اور امریکہ نے چین پر "open door policy" کی پالیسی نافذ کی تھی۔ اس سے مہان نے مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید کے درمیان رشتہ قائم کیا، اس وقت جب "Near East" کا تصور صرف عثمانی ریاست کی وراثت تک محدود تھا جو بلقان میں تھا<sup>58</sup>۔ اس اصطلاح سے جو بحری حکمت عملی امریکا میں سامنے آئی، اس نے فلپائن، ہوائی، کیوبا، پورٹوریکو، اور کیریبین کے ساتھ ساتھ وسطی امریکہ پر قابو پانے کا راستہ ہموار کیا<sup>59</sup>۔ مشرق وسطیٰ کی اصطلاح محض ایک مخصوص جغرافیائی علاقے یا

<sup>56</sup> الفرید تھیئر مہان (Alfred Thayer Mahan) ایک امریکی نول افسر اور مورخ تھے، جنہیں انیسویں صدی کا سب سے اہم امریکی اسٹریٹجٹ قرار دیا گیا۔ ان کی 1890 کی کتاب *The Influence of Sea Power upon History* 1660-1783 کو عالمی سطح پر پذیرائی ملی، خصوصاً یورپ میں۔ 1892 میں اس کے تسلسل *The Influence of Sea Power upon the French Revolution and Empire, 1793-1812* کی اشاعت نے ان کی حیثیت کو مزید مستحکم کیا۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:

Suzanne Geisler, *God and Sea Power: The Influence of Religion on Alfred Thayer Mahan* (Annapolis: Naval Institute Press, 2015), 1.  
<sup>57</sup> Mahan, Alfred Thayer. *The Persian Gulf and International Relations*. London: Sampson Low, Marston & Company, 1902.  
<sup>58</sup> Ahmed Salim al-Bursan, "The Development of the Concept of the Middle East and Western Strategic Thinking," *Magazine of the University of Sharjah*, year 3, no. 3 (October 2006): 140. p. 145.  
<sup>59</sup> Zachary Lockman, *Contending Visions of the Middle East*. p. 170

علاقے کی زبان، ثقافت اور مذہبی روایت ہی کو ظاہر نہیں کرتی بلکہ یہ مسلسل ارتقاء پذیر سیاسی رجحان تھا جس نے دنیا بھر میں نوآبادیاتی طاقتوں کے لئے استعماری مفادات کا حصول مزید آسان بنایا۔ اس اصطلاح کے وضع کرنے کی ایک اور وجہ مہان کی خواہش تھی کہ وہ برطانویوں کی توجہ اس علاقے میں جرمن خطرے کی طرف مبذول کرائیں، جو مبینہ طور پر برلن سے بغداد تک ایک ریلوے لائن تعمیر کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے<sup>60</sup>۔ اس اصطلاح کو اس خطے کو ظاہر کرنے کے لیے بھی استعمال کیا گیا جس کا مرکز عرب خلیج فارس تھا، جسے نہ تو "مشرق قریب (Near-East)" یا "مشرق بعید (Far-East)" کی اصطلاحات سے پکارا جاتا تھا، کیونکہ پہلا عثمانی ریاست سے جبکہ دوسرا چین کے گرد و نواح میں تھے، جبکہ مشرق وسطیٰ ان دونوں کے درمیان واقع تھا۔ جارج لینچزوسکی<sup>61</sup> (George Lenczowski; 1915-2000) کے مطابق، یہ خطہ مصر سے لے کر افغانستان تک پھیلا ہوا ہے<sup>62</sup>؛ واشنگٹن میں واقع مشرق وسطیٰ انسٹی ٹیوٹ اسے مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک پھیلا ہوا مانتا ہے؛ برطانوی انسٹی ٹیوٹ برائے بین الاقوامی تعلقات کے مطابق، مشرق وسطیٰ میں ایران، ترکی، جزیرہ نما عرب، زرخیز ہلال، اور قبرص شامل ہیں<sup>63</sup>۔

یہ ایک غلط فہمی ہے کہ مشرق وسطیٰ کا تصور دوسری جنگ عظیم سے تعلق رکھتا ہے، جس کے آغاز میں برطانیہ نے قاہرہ میں ایک "مشرق وسطیٰ سپلائی سینٹر" قائم کیا تھا۔ اس وقت برطانیہ نے قاہرہ میں ایک فوجی کمانڈ کے قیام کا بھی اعلان کیا، جسے "مشرق وسطیٰ کمانڈ" کا نام دیا گیا تھا اور اس کی اتھارٹی اس خطے میں لیبیا کے مغرب سے بغداد اور مشرقی بصرہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ درحقیقت، امریکہ نے جاپانی حملے کے بعد فوراً مشرق وسطیٰ میں امریکی افواج کے لیے ایک

60 Nadia Mahmoud Mustafa and Seifeddine Abdel Fattah, *Islamic Methodology* 18 (Cairo: Civilization Center for Political Studies, 2002), p. 118.

61 جارج لینچزوسکی (1915-2000) ایک وکیل، سفارت کار، اسکالر، اور کیلیفورنیا یونیورسٹی، برکلی میں پولیٹیکل سائنس کے پروفیسر ایمرٹس تھے۔ وہ مشرق وسطیٰ کے مطالعات کے شعبے کے بانی اور پہلے سربراہ تھے۔ ان کی کتاب *American Presidents and the Middle East* کو مشرق وسطیٰ میں امریکہ کی پالیسی پر ایک اہم تجزیاتی کام سمجھا جاتا ہے۔ مائیکل اورن کے مطابق، اس کتاب کو *The Other Arab-Israeli Conflict* (اسٹیون ایل اسپانگلی) اور *Peace Process* (ولیم بی کوانڈٹ) کے ساتھ مل کر دوسری جنگ عظیم کے بعد کے حالات پر ایک نمایاں تحقیق سمجھا جاتا ہے۔

62 George Lenczowski. *American Presidents and the Middle East*. Duke University Press, 1990. ISBN 0-8223-0972-6.

63 Ahmed Arif Irhayyil al-Kafarneh, "Political Effects on the Arab Regional Order in Light of the Occupation of Iraq," *The Damascus University Journal of Economics and Law*, year 25, no. 2 (2009), p. 622.

کمانڈ سینٹر قائم کیا۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، یہ اصطلاح مہان کے ذریعے سامنے آئی اور "دی ٹائمز" اخبار کے غیر ملکی ڈیسک کے سربراہ چیرول (Ignatius Valentine Chiról (28 May 1852 – 22 October 1929) نے اس اصطلاح کو اپنایا، جنہوں نے مشرق وسطیٰ کے مسئلے پر بیس سے زیادہ مضامین لکھے۔ انہوں نے اس اصطلاح کو مشہور کرنے کا سہرا مہان کو دیا، لیکن چیرول نے اس اصطلاح کو مغربی اسٹریٹجک تحریروں میں متعارف کرانے کا کریڈٹ حاصل کیا۔ واضح رہے کہ تھامس ایڈورڈ گورڈن<sup>64</sup>، جو ہندوستان میں برطانوی مفادات کے دفاع میں چالیس سال سے زیادہ عرصہ تک خدمات انجام دیتے رہے، نے مہان سے دو سال پہلے، یعنی 1900 میں مشرق وسطیٰ کا حوالہ دیا۔ بہر حال، مشرق وسطیٰ کی اصطلاح کے اولین واضح معاملہ اتناہم نہیں، جتنا یہ کہ اسے علمی اور سفارتی مقاصد کے لئے کس نے استعمال کرنا شروع کیا۔ اس اصطلاح کی ظہور کی تاریخ اور پس منظر میں غیر یقینی صورت حال مغربی تحریروں پر بھی اثر انداز ہوتی ہے

انیسویں صدی کے آخر میں مشرق وسطیٰ اور دیگر جغرافیائی یا علاقائی اصطلاحات کے استعمال میں وسعت آنا شروع ہوئی، جیسے نیا مشرق وسطیٰ (New Middle East)، عظیم مشرق وسطیٰ (Greater Middle East)، مشرق وسطیٰ آرڈر (Middle Eastern order)، مشرق وسطیٰ مارکیٹ (Middle Eastern market) اور مشرق وسطیٰ کی ثقافت (Middle Eastern culture) وغیرہ۔ تاہم اس اصطلاح کو عرب اور مسلم حلقوں میں بھی قبول کر لیا گیا۔ چنانچہ عرب ذرائع ابلاغ اور علمی مراکز نے اسے اپنے یہاں استعمال کرنا شروع کیا، باوجود اس کے کہ یہ نوآبادیاتی اصطلاح تھی۔ ان میں معروف عرب اخبار، الشرق الاوسط، ایران میں مڈل ایسٹ اسٹڈیز سینٹر اور لبنان، مصر اور دیگر عرب و خلیجی ممالک میں مشرق وسطیٰ کے مطالعہ کے مراکز شامل ہیں<sup>65</sup>۔ 1911 میں، لارڈ کرزن<sup>66</sup> (Lord Curzon)، جو اس وقت ہندوستان کے حکمران تھے،

<sup>64</sup> سر تھامس ایڈورڈ گورڈن - Thomas Edward Gordon (1832-1914) ایک اسکاٹش فوجی، سفارت کار اور سیاح تھے۔ برطانوی فوج میں خدمات انجام دینے کے دوران انہوں نے ہندوستان میں جنگیں لڑیں، تہران میں بطور سفارت کار تعینات رہے اور پامیر کے علاقوں کا سفر کیا۔ وہ خاص طور پر 19 ویں صدی کے ہندوستان، فارس (موجودہ ایران) اور وسطی ایشیا پر لکھی گئی اپنی کتابوں کے باعث یاد کیے جاتے ہیں۔

<sup>65</sup> Ahmed Salim al-Bursan, "The Development of the Concept of the Middle East and Western Strategic Thinking," Magazine of the University of Sharjah, year 3, no. 3 (October 2006): p. 140.

نے اس اصطلاح کا استعمال ترکی، عرب خلیجی (Arabian Gulf) اور ایرانی علاقوں کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کیا، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ یہ علاقے ہندوستان تک پہنچنے کا راستہ ہیں<sup>67</sup>۔ اس کے بعد مارک سائکس (Mark Sykes)<sup>68</sup> نے برطانوی کابینہ کو خطے میں ایک اسلامی بیورو قائم کرنے کی تجویز دی تاکہ معلومات اکٹھی کی جا سکیں۔ اس پر اتفاق ہوا کہ قاہرہ (Cairo) میں ایک عرب بیورو قائم کیا جائے گا جو اس خطے پر خفیہ معلومات اکٹھی کرے گا، اور یہ 18-1916 کے دوران سوڈان (Sudan) میں برطانوی انٹیلی جنس سے منسلک تھا<sup>69</sup>۔ بیسویں صدی کے پہلے نصف میں برطانیہ مشرق وسطیٰ میں برطانوی ریڈیو کے پھیلاؤ میں دلچسپی رکھتا تھا تاکہ معلومات اکٹھی کی جا سکیں اور خطے کی عوام کو اندھیرے میں رکھا جاسکے۔

گویا، مشرق وسطیٰ کی اصطلاح نے اس خطے میں برطانوی اور امریکی پالیسیوں کو نافذ کرنے کی راہ ہموار کی اور اس کے نتیجے میں ایک ذیلی علاقائی نظام (sub-regional order) وجود میں آیا جو کثیرالجہتی تھا، جس کے ذریعے علمی و تحقیقی اور اقتصادی مطالعہ کرنا اور اس کے نتیجے میں مفادات کا حصول تھا<sup>70</sup>۔ انہی اہداف پر، برطانوی مشرق وسطیٰ بینک (British Middle East Bank) اور مشرق وسطیٰ کے تحقیقی ادارے (Middle East research institutions) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ تاہم، مشرق وسطیٰ سے جو مفہوم وابستہ تھا، وہ صرف برطانوی حکمت عملیوں تک محدود نہیں رہا، بلکہ اس میں تبدیلیاں آئیں اور ترقی ہوئی، جس

66 جارج نیتھانیل کرزن - George Nathaniel Curzon (1859-1925) برطانوی سیاستدان، مہم جو اور مصنف تھے، جو 1899-1905 تک ہندوستان کے وائسرائے اور 1919-1924 تک وزیر خارجہ رہے۔ آکسفورڈ سے تعلیم حاصل کی، اور روس، وسطی ایشیا و مشرق بعید کے سفر کیے۔ 1899 میں وائسرائے بن کر انتظامی اصلاحات، تاج محل کی بحالی، تبت مہم، اور بنگال کی تقسیم جیسے اقدامات کیے۔ بعد میں وزیر خارجہ کے طور پر "کرزن لائن"، فلسطین کی تقسیم، اور معاہدہ لوزان میں ترکی کی سرحدوں کے تعین میں اہم کردار ادا کیا۔ 1923 میں وزارت عظمیٰ کے امیدوار تھے مگر ناکام رہے۔ 1925 میں وفات پا گئے۔

67 Mamduh Mahmoud Mansur, *The American-Soviet Conflict in the Middle East* (Cairo: p. 39. Madbouli, [n. d.].

68 کرنل سر ٹیٹن بینوینو مارک سیکس - Colonel Sir Titten Benvenuto Mark Sykes (1879-1919) انگریزی سیاح، کنزرویٹو سیاستدان اور جنگ عظیم اول کے دوران مشرق وسطیٰ کے امور پر سفارتی مشیر تھے۔ وہ سلطنت عثمانیہ کی تقسیم کے لیے برطانیہ، فرانس اور روس کے درمیان سائیکس-پیکو معاہدے کے مرکزی معماروں میں شامل تھے اور اعلان بالفور کے مذاکرات میں بھی کلیدی کردار ادا کیا۔

69 Ahmed Salim al-Bursan, "The Development of the Concept of the Middle East and Western Strategic Thinking," p. 148

70 Fawaz Gergis, *The Arab Regional Order and the Major Powers: A Study in Arab-Arab and Arab-International Relations* (Beirut: Arab Unity Studies Center, 1997), p. 25.

سے امریکہ اور اسرائیل کے کردار میں اضافہ ہوا۔ انیسویں اور بیسویں صدی کے اوائل میں، امریکہ کی اس خطے میں دلچسپی ان عیسائی مشنری گروہوں تک محدود تھی جو بعد میں تعلیمی اداروں میں تبدیل ہو گئے، جیسے کہ قاہرہ اور بیروت میں امریکی یونیورسٹیاں<sup>71</sup>۔ تاہم، دوسری جنگ عظیم کے بعد، خطے میں کئی اہم واقعات رونما ہوئے، جن میں سب سے نمایاں مختلف ممالک میں آزادی کی تحریکوں کا آغاز اور فلسطین کے خلاف جنگ تھی، جو یہودی آباد کاری اور 1948 میں اسرائیل کے قیام کے اعلان پر منتج ہوئی<sup>72</sup>۔

اس تناظر میں، اسرائیل کی قربت کا عمل برطانیہ سے امریکہ کی طرف منتقل ہوا جس کی کئی وجوہات تھیں، سب سے اہم وجہ دوسری جنگ عظیم کے بعد برطانیہ کا مختلف خطوں سے انخلا اور امریکہ کا آگے بڑھنا تھا۔ اس کے علاوہ، یہودیوں نے بھی امریکہ میں ضروری ادارہ جاتی بنیادیں قائم کر لی تھیں<sup>73</sup>۔ نیز، امریکہ کی دلچسپی محض تیل کے ذخائر کو ممکنہ خطرات سے بچانے کے لیے نہیں تھی، بلکہ سرد جنگ کے دوران اسٹریٹیجک سطح پر سوویت چیلنج کے خطرے کا مقابلہ بھی مقصود تھا۔ امریکہ کی جانب سے اسرائیل کی حمایت نہ صرف اسے مشرق وسطیٰ میں کمیونزم کے خطرے سے تحفظ فراہم کرنا تھا بلکہ دوسری خلیجی جنگ [1991] کے اختتام تک تیل کی فراہمی کو یقینی بنانا بھی تھا۔ امریکی بحری بیڑہ خلیج کی بندرگاہوں میں موجود رہا۔ اسرائیل عملی طور پر امریکی اسلحے کا ذخیرہ تھا، یہاں تک کہ امریکہ نے مصر اور سعودی عرب میں بھی ہتھیار ذخیرہ کرنا شروع کر دیے<sup>74</sup>۔ اسی دوران، امریکہ نے نیٹو کو علاقائی کی بجائے بین البراعظمی بنیادوں پر اسٹریٹیجک بنیاد پر سوویت یونین کا مقابلہ کرنے کے لیے تشکیل دیا۔

جنگ عظیم دوم کے بعد، جب امریکہ کی طاقت کا عروج تھا، امریکہ نے مشرق وسطیٰ کے خطے میں اپنی تمام صلاحیتوں کو متحرک کیا، خاص طور پر 1973 کی جنگ، ایرانی انقلاب کی کامیابی، اور افغانستان میں سوویت منصوبے کی شکست کے بعد۔ امریکہ کی مشرق وسطیٰ میں دلچسپی میں حیران کن نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ سی آئی اے (CIA)

71 Ahmed Abdel Rahim Mustafa, The United States and the Arab Mashreq, Alam al-Marifa 4 (Kuwait: National Council for Culture, Arts and Literature, 1978), pp. 5-6.

72 Middle East News in the World Press: Study Undertaken by the International Press Institute in Zurich, Switzerland, translated by Abdel Latif Hamza and Walim al-Miri (Cairo: Dar Al-Fikr Al-Arabi, [1961]), p. 4.

73 Abdel Malik Khalaf al-Tamimi, Foreign Settlement in the Arab World: The Arab Maghreb, Palestine and the Arab Gulf: A Comparative Historical Study, in Alam Al-Marifa (Kuwait: National Council for Culture, Arts and Literature, 1983), p. 91.

74 Munir al-Hamsh, The Condemned Peace: The New Middle East from Greater Israel to Great Israel, 2nd edn. (Cairo: Madbouli, 1997), pp. 315-16.

اسٹانسفیلڈ ٹرنر<sup>75</sup> (Stansfield Turner) کی کمانڈ میں خطے کے حکومتی کاموں کی نگرانی میں دلچسپی رکھتی تھی، بالخصوص، انور سادات کے بعد خطے میں بغاوت اور قتل عام سے متعلق انٹیلی جینس اطلاعات اور انتباہات کی فراہم اور امریکی پالیسیوں کا خطے میں تحفظ وغیرہ<sup>76</sup>۔

اس سیاق و سباق میں، خاص طور پر 1991 میں، دوسری خلیج جنگ کے اختتام پر، امریکی-اسرائیلی مفادات کے تصور پر مبنی نئی اصطلاح نیا مشرق وسطیٰ (The New Middle East) - منظر عام پر آئی جس کے ذریعے ایسے عرب-اسرائیل امن معاہدے کی پیش رفت مقصود تھی جس میں امن معاہدوں اور اقتصادی تعاون کے ذریعے، ریاست اسرائیل کا کردار خطے میں بڑھایا جاسکے۔ شمعون پیریز<sup>77</sup>، جو شدت پسند دائیں بازو کی حکومت میں شامل تھے، نے اس اصطلاح کو اپنے کتاب<sup>78</sup> The New Middle East میں فروغ دیا، جہاں انہوں نے اس ضرورت پر

75 اسٹانسفیلڈ ٹرنر (1923-2018) امریکی نیوی کے ایڈمرل اور سی آئی اے کے ڈائریکٹر (1977-1981) تھے۔ انہوں نے نیول وار کالج اور نیٹو میں اہم عہدوں پر خدمات انجام دیں۔ سی آئی اے کے ڈائریکٹر کے طور پر انہوں نے ایجنسی میں اصلاحات کیں اور انسانی انٹیلی جنس کے بجائے تکنیکی انٹیلی جنس پر زور دیا۔ 1981 میں سی آئی اے چھوڑنے کے بعد انہوں نے نجی شعبے میں کام کیا اور عراق جنگ کے ناقد رہے۔

76 Hassan Nafie, "International Reactions Towards the Invasion," in: The Iraqi Invasion of Kuwait: Lead Up, Events and Responses, Alam Al-Marifa 195 (Kuwait: National Council for Culture, Arts and Literature, 1995), p. 464.

77 شمعون پیریز (2 اگست 1923-28 ستمبر 2016) ایک اسرائیلی سیاستدان اور ریاستی شخصیت تھے، جنہوں نے 1984 سے 1986 اور 1995 سے 1996 تک اسرائیل کے آٹھویں وزیر اعظم کے طور پر خدمات انجام دیں اور 2007 سے 2014 تک اسرائیل کے نویں صدر رہے۔ وہ 1959 میں کنیسٹ کے رکن منتخب ہوئے اور 2006 میں تین ماہ کے استعفا کے علاوہ مسلسل اس عہدے پر رہے۔ پیریز نے 48 سال تک کنیسٹ میں خدمات انجام دیں، جو اس کے تاریخ میں سب سے طویل مدت ہے۔ انہوں نے اسرائیل کے بانی، ڈیوڈ بن گوریان کی سرپرستی میں سیاست میں قدم رکھا اور 1952 میں 28 سال کی عمر میں دفاع کے نائب ڈائریکٹر جنرل کے طور پر اپنی پہلی بڑی سرکاری ذمہ داری سنبھالی۔ 1956 میں پروٹوکول آف سیورز کے تاریخی مذاکرات میں حصہ لیا اور 1963 میں امریکی صدر جان ایف کینیڈی کے ساتھ مذاکرات کر کے اسرائیل کے لیے ہاک اینٹی ایئر کرافٹ میزائل کی خریداری کا معاہدہ کیا۔ پیریز نے 1994 میں اسرائیل اور اردن کے درمیان امن معاہدے کی قیادت کی اور یاسر عرفات اور اسحاق رابن کے ساتھ 1994 کا نوبل امن انعام جیتا۔ 1996 میں، انہوں نے پیریز سینٹر فار پیس کی بنیاد رکھی۔ ان کی سیاسی زندگی کا اختتام 2014 میں سیاست سے ریٹائرمنٹ اور 2016 میں دل کا دورہ آنے کے بعد ہوا۔

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

Bar-Zohar, Michael (2007). Shimon Peres : the biography. Internet Archive. New York : Random House. p. 99.

78 Peres, Shimon, and Arye Naor. The New Middle East. New York: Henry Holt & Co., 1993.

زور دیا کہ مشرق وسطیٰ کی اقتصادی مارکیٹ کو لبرل بنیادوں پر پروان چڑھایا جائے<sup>79</sup>۔ نئے مشرق وسطیٰ کے مسئلے کو سمجھنے کے لیے مختلف ریاستی گروہ بندی کا تجزیہ کیا گیا: عراقی- ایرانی گروہ، لبنانی- شامی گروہ، اور فلسطینی- اسرائیلی گروہ۔ اس میں تین حساس مسائل شامل تھے: جوہری پھیلاؤ، فرقہ واریت، اور سیاسی اصلاحات کا چیلنج، یہ تمام مسائل حل کرنے مشرق وسطیٰ کی ساخت واضح کرتے ہیں۔

1995ء میں، ایک اور نئی اصطلاح "عظیم تر مشرق وسطیٰ" (Greater Middle East) "سامنے آئی، جو عرب اور خلیجی ممالک کے حوالے سے امریکی حکمت عملیوں کا نتیجہ تھی۔ یہ اصطلاح امریکی وزارت دفاع کے انسٹی ٹیوٹ فار نیشنل اسٹریٹجک اسٹڈیز<sup>80</sup> کی سالانہ رپورٹ میں ظاہر ہوئی، جس میں عظیم تر مشرق وسطیٰ پر ایک باب مختص کیا گیا تھا، جو مغرب سے لے کر چین کی سرحدوں تک پھیلا ہوا تھا۔ لیش جو نیوز نے اس اصطلاح کو 2004 میں جی-ایٹ سربراہی اجلاس میں بھی استعمال کیا<sup>81</sup>۔ اکثر تجزیہ کاروں اور مبصرین کا خیال ہے کہ افغانستان، پھر عراق پر حملہ، اور پھر 2011 کی عوامی بغاوتوں میں مداخلت تمام وہ عناصر تھے جنہوں نے امریکہ اور اس کے اتحاد کے ذریعے عظیم تر مشرق وسطیٰ کے تصور کو مزید مستحکم کیا، جس کا مقصد خطے کو افراتفری اور فرقہ وارانہ لڑائیوں میں مبتلا کر دینا تھا تاکہ خطے کی صلاحیتوں کو تقسیم کر کے حکمرانی کی جاسکے اور ایشیائی طاقتوں کی پیش قدمی کو روکا جاسکے<sup>82</sup>۔

دلچسپ امر یہ ہے کہ عظیم تر مشرق وسطیٰ کی اصطلاح اور اس کے فروغ میں، نیٹو کے رکن ملک، ترکی کو مشرق وسطیٰ سے باہر رکھا گیا جبکہ ایران اور افغانستان کو شامل کیا گیا۔ جس مشرق وسطیٰ اور اس طرح کی دیگر جغرافیائی اصطلاحات کی تشکیل و فروغ میں امریکی اور اسرائیلی باہمی تعلقات اور مفادات واضح ہوتے ہیں، کیونکہ امریکہ میں صیہونی لابی امریکی پالیسیوں کو خطے میں مرکزیت دینے اور اس کے نفاذ میں ہر ممکن مدد کرتی ہے۔

79 Marina Ottaway [and others], "The New Middle East," Report of the Carnegie Middle East Center, p. 5, [www.carnegieendowment.org/pubs](http://www.carnegieendowment.org/pubs).

80 انسٹی ٹیوٹ فار نیشنل اسٹریٹجک اسٹڈیز (INSS) Institute for National Strategic Studies of the US Defense Department امریکی محکمہ دفاع کا تحقیقاتی ادارہ ہے جو 1984 میں قائم ہوا۔ یہ ادارہ امریکی فوج کے لیے اسٹریٹجک، سیاسی، اور سیکورٹی سے متعلق امور پر تحقیق کرتا ہے۔ INSS کا مقصد امریکی قومی سیکورٹی سے متعلق پالیسیوں کا فروغ، نفاذ اور رائے عامہ کو ہموار کرنا ہے۔ یہ ادارہ عالمی سطح پر اسٹریٹجک خطرات، علاقائی تنازعات، اور دفاعی پالیسیوں پر تحقیق کرتا اور مختلف حکومتی، فوجی، اور نجی اداروں کو اپنے نتائج فراہم کرتا ہے۔

81 Ahmed Salim al-Bursan [and others], "The Greater Middle East Initiative," Strategy Observer (January 2000), p.20.

82 Emadeddine Shaheen, "The Greater Middle East: Echoes of the Western Vision," My Nation in the World (Cairo: Civilization Center for Political Studies, [n. d.]), p. 214.

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اپنے تسلط کو برقرار رکھنے کے لئے کس طرح عالمی طاقتیں علاقائی تہذیبی، سیاسی اور اقتصادی احوال سے خود کو متعلق رکھتی ہیں اور اس کے لئے درکار تمام تر وسائل، معلومات اور تحقیقات کو ادارہ جاتی اور ریاستی سطح پر اپنے حق میں یقینی بناتی ہیں، جس کا ایک بنیادی ذریعہ علاقائی مطالعات یا ایریا اسٹڈیز ہیں۔

#### معاصر ادوار میں علاقائی مطالعات کا ارتقاء:

اینگلو امریکی ورلڈ کی اسٹریٹیجک منصوبہ بندی اور کلاسیکل اسٹیشن کے مابین جدلیاتی تعلق موجود ہے، جس نے ایسی جغرافیائی اصطلاحات کو جنم دیا جو اسٹریٹیجک سوچ کے ذریعے مغربی دنیا کے اہم پالیسی ساز فورمز میں متعارف کروائی گئیں۔ اس عمل کے نتیجے میں ایسے ذیلی خطے (sub-regions) وجود میں آئے جو ایک اسٹریٹیجک پہلو رکھتے تھے، جن میں سب سے نمایاں "مشرق وسطیٰ" ہے۔ بعد ازاں، ایشیا اور افریقہ کے جغرافیے کو مخصوص پالیسی سازی کے لیے تقسیم کیا گیا۔ ایسی پالیسیاں جو تیل، گیس، اور دیگر اجناس میں عالمی اجارہ داری رکھنے والی بڑی معاشی قوتوں کے مفادات سے گہری وابستگی رکھتی ہیں۔ ان پالیسیوں کا فکری اور علمی پہلو علاقائی مطالعاتی مراکز (Regional Studies Centers) کے ذریعے تشکیل دیا جاتا ہے، جو اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ اسٹریٹیجک ماہرین، دانشور، اور اینگلو-امریکی مستشرقین کے مابین ایک غیر معمولی اتحاد وجود میں آیا، جس نے پالیسی سازی اور علمی تحقیق کے نئے زاویوں کو تشکیل دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس اتحاد کی اہمیت کو مستشرق ہیملٹن گب (Hamilton Gibb) کے اس اقدام سے واضح کیا جاسکتا ہے، جس کے ذریعے انہوں نے ایک نئے اسٹیشن منیج کی بنیاد رکھی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد، جب گب ہارورڈ یونیورسٹی کے "Middle East Studies Center" کے ڈائریکٹر تھے، تو انہوں نے ایک لیکچر دیا جس کا عنوان تھا: "Regional Studies: A Reassessment"۔ جس میں انہوں نے واضح طور پر کہا کہ مشرق کو روایتی مستشرقین کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔ یہ ایک غیر مبہم دعوت تھی کہ جامعات کے طلبہ کو مالیات اور کاروبار کے میدان میں تعلیم دی جائے اور بین العلوم (interdisciplinary) مطالعات کو فروغ دیا جائے۔ تحقیق اب روایتی مستشرقین پر منحصر نہیں رہی، جو مشرق پر فوسدہ معلومات کا اطلاق کرتے تھے، بلکہ علاقائی مطالعات (Regional Studies) کی طرف بڑھنا ناگزیر ہو چکا تھا<sup>83</sup>۔ چنانچہ مشرق وسطیٰ کو برطانیہ میں "Middle East Studies" کے

عنوان کے تحت ہونے والی تحقیقات میں سب سے زیادہ اہمیت دی گئی۔ شاید اس خطے کے امور پر کام کرنے والے تحقیقی اور علمی اداروں کی بڑی تعداد ہی اس امر کا سبب ہے کہ "مشرق و وسطیٰ" میں شامل ممالک کی جغرافیائی تقسیم ہمیشہ سے ایک متنازعہ معاملہ رہی ہے۔ ہارورڈ یونیورسٹی کا یہ ادارہ 1930 کی دہائی میں مشرق و وسطیٰ میں مغربی نوآبادیاتی ریاستوں کے رویے پر کی جانے والی اہم ترین تحقیقات کا سہرا اپنے سر لیتا ہے۔ ان میں ایک تحقیق شامل ہے جو 1800 سے لے کر اس تحقیق کے وقت تک کے عرصے کا احاطہ کرتی ہے اور جو اسلامی تاریخ کے مطالعے کے ایک علمی منصوبے کا حصہ تھی جس نے برطانیہ میں ایک نئے اکیڈمک ڈسکورس، علاقائی مطالعات (Area Studies) کی بنیاد رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ آغاز میں، علاقائی مطالعات مخصوص موضوعات پر مرکوز تھے جیسے نسب، بدویوں، صنعتی کاری، تجارتی نقل و حرکت، شہروں، فوج، انتظامیہ، مذہب، ثقافت، فنون، غلامی، اور اسلامی دنیا میں مذہبی اقلیتیں۔ ہیملٹن گب نے ان مطالعات کے قیام میں اہم کردار ادا کیا<sup>84</sup>۔

جنگ عظیم دوم کے بعد، ان مطالعات کو مزید مستحکم کیا گیا، اور اقتصادی و تاریخی میدانوں میں کی جانے والی تحقیقات بھی اتنی ہی اہم ثابت ہوئیں جتنی کہ ان سے پہلے کی گئی تھیں۔ یہ تحقیقات برطانوی محققین نے انجام دیں، جن میں البرٹ حورانی<sup>85</sup> اور چارلس عیساوی<sup>86</sup> جیسے عربی نژاد بھی تھے۔ چارلس عیساوی نے 1815 سے 1914 کے

84 Timothy Mitchell, *The Middle East in the Past and Future of Social Science* (Gaga Books, Berkeley, 2003), p. 4.

85 البرٹ حبیب حورانی (Albert Habib Hourani) ایک ممتاز لبنانی نژاد برطانوی مورخ تھے، جنہوں نے مشرق وسطیٰ کی تاریخ اور مشرق وسطیٰ کے مطالعات میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ وہ 3 مارچ 1915 کو پیدا ہوئے اور 17 جنوری 1993 کو وفات پائی۔ حورانی کی سب سے مشہور کتاب *A History of the Arab Peoples* (1991) ہے، جو مشرق وسطیٰ کی تاریخ کا ایک جامع اور عام فہم تعارف فراہم کرتی ہے اور عالمی سطح پر ایک بیسٹ سیلر رہی۔ ان کی ایک اور اہم تصنیف *Arabic Thought in the Liberal Age 1789–1939* (1962) ہے، جو نھنہ (Nahda) یعنی انیسویں صدی میں عرب دنیا کی نشاۃ ثانیہ اور یورپی جدیدیت کے ساتھ اس کے تعامل کا ایک سائنسی تجزیہ پیش کرتی ہے۔ دیگر نمایاں کتب میں شامل ہیں *Syria and Lebanon: A Political Essay* (1946) اور *Minorities in the Arab World* (1947)۔ انہوں نے مستشرقین کے مشرق وسطیٰ کے بارے میں تصورات پر بھی وسیع کام کیا اور *Urban Notables* کا تصور پیش کیا، جس کے مطابق عثمانی دور میں مشرق وسطیٰ کے شہروں میں بعض ممتاز سیاسی اور سماجی طبقات استنبول جیسے شاہی مراکز اور مقامی معاشرے کے درمیان رابطہ کار کا کردار ادا کرتے تھے۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:

Marmura, Michael E. (1984). *Islamic Theology and Philosophy: Studies in Honor of George F. Hourani*. New York: SUNY.

درمیان مشرق وسطیٰ میں اقتصادی ارتقا پر ایک اہم تحقیق کی، جو سرکاری اور نجی دونوں شعبوں کا احاطہ کرتی تھی۔ اس تحقیق میں انہوں نے مشرق وسطیٰ کی اقتصادی زبوں حالی کی تشخیص کی۔ ان کے مطابق، یہ بد حالی صرف نوآبادیاتی نظام کی وجہ سے نہیں تھی، بلکہ اس میں وہ داخلی متضاد قوتیں بھی شامل تھیں جو نوآبادیات سے پہلے اور بعد میں موجود رہیں۔ عیسائی کا کہنا تھا کہ غیر ملکی معیشت کی بالادستی نے خطے میں مایوسی کے جذبات کو فروغ دیا۔ آبادی میں تیز رفتار اضافہ بھی ایک عنصر تھا، جب کہ تیل کی دریافتوں اور بیرونی امداد کی بھاری مقدار کے باوجود مشرق وسطیٰ میں اقتصادی بحران کی شدت کم نہیں ہو سکی۔

ٹم نیبلوک (Tim Niblock) برطانوی علمی مطالعہ جات کو مشرق وسطیٰ کے بارے میں دو ادوار میں تقسیم کرتے ہیں: پہلا دور (1950-1970 کی دہائی) ہے جو عمومی تاریخی مطالعات پر مشتمل تھا، جس میں مؤرخانہ نقطہ نظر غالب تھا، تاہم محققین کی تجزیاتی صلاحیتوں میں تفاوت پایا جاتا تھا۔ اس دور کے اہم مطالعات درج ذیل ہیں: پیٹر ہولٹ (Holt) کی جدید تاریخ سوڈان پر تحقیق؛ پیٹر مینسفیلڈ (Peter Mansfield) کی Nasser's Egypt پر تحقیق؛ اور پیٹرک سیل (Patrick Seale) کی Asad of Syria: The Struggle for the Middle East، جس کا عربی ترجمہ 842 صفحات پر مشتمل تھا<sup>87</sup>۔ یہ دور مخصوص تحقیقی موضوعات پر مرکوز تھا، جن میں جدید تاریخ، جغرافیہ اور بشریات شامل تھیں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے محققین نے اس علمی سرگرمی کا محور تشکیل دیا، لیکن ان مطالعات کی علمی قدر محدود تھی کیونکہ ان میں کسی ہمہ گیر فکری وژن کی کمی تھی۔ چنانچہ ان تحقیقات نے مشرق وسطیٰ کے معاشی، سیاسی اور سماجی پہلوؤں کو بہتر طور پر سمجھنے

86 چارلز فلپ عیسائی (Charles Philip Issawi) ایک نامور مصری نژاد ماہر اقتصادیات اور مؤرخ تھے، جو مشرق وسطیٰ کی اقتصادی تاریخ کے حوالے سے اہم علمی خدمات کے لیے مشہور ہیں۔ وہ 1916 میں پیدا ہوئے اور 2000 میں وفات پائی۔ راجر اوون (A. J. Meyer Professor of Middle East History, Harvard) کے مطابق، عیسوی کو "مشرق وسطیٰ کی جدید اقتصادی تاریخ کے مطالعے کا بانی" کہا جاسکتا ہے۔ عیسائی نے کولمبیا یونیورسٹی اور پرینسٹن یونیورسٹی میں تدریسی خدمات انجام دیں اور مشرق وسطیٰ کے اقتصادی اور سماجی ارتقا پر گہرا تحقیقی کام کیا۔ ان کی تحقیق نے خاص طور پر مشرق وسطیٰ میں 1815 سے 1914 کے دوران اقتصادی ترقی، تجارت، صنعت، زراعت، اور استعماری اثرات کا جائزہ لیا۔ ان کا استدلال تھا کہ مشرق وسطیٰ کی اقتصادی مشکلات صرف نوآبادیاتی اثرات کی وجہ سے نہیں بلکہ خطے میں پہلے سے موجود متضاد قوتوں، آبادی میں اضافے، اور بیرونی معیشت کی بالادستی کی وجہ سے بھی پیدا ہوئیں۔ عیسائی کی تحقیقات نے مشرق وسطیٰ کی اقتصادی ترقی اور استعماری پالیسیوں کے اثرات کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد فراہم کی۔ ان کا علمی کام آج بھی مشرق وسطیٰ کی اقتصادی تاریخ کے بنیادی حوالہ جات میں شامل ہے۔

87 Patrick Seale, Asad of Syria: The Struggle for the Middle East, 10th edn. (Beirut: All Prints Distributors and Publishers, 2007).

میں زیادہ مدد نہیں دی۔ دوسرا دور (1970 کے بعد) سے برطانوی علمی مطالعہ جات نے ایک مربوط بین اللسانی اور کثیر الجہتی (multidisciplinary) انداز اختیار کر لیا۔ اس دور کی خصوصیات میں: سیاسی معیشت (Political Economy): ریاست کی حیثیت (Position of the State) اور ان سے متعلق نظریات اور سماجی ڈھانچوں (Social Forms) کا گہرائی سے تجزیہ کیا گیا۔ اس دوسرے دور میں محققین نے مشرق و وسطیٰ کے حالات کو زیادہ جامع اور ہمہ جہتی انداز میں سمجھنے کی کوشش کی، جس سے ریاست کے کردار کو بہتر طور پر واضح کرنے میں مدد ملی۔ اس میدان میں چار اہم جہات تھیں جنہوں نے مشرق و وسطیٰ میں سیاسی معیشت کے عمومی نظریے کو حل کیا: مشرق و وسطیٰ کے ریاستوں کے مطالعات، طبقات اور گروپوں کے کردار اور ان کی داخلی اور خارجی اقتصادی تعلقات کے مطالعات، بیوروکریسی اور اس کا ریاست اور معاشرت میں کردار، اور معیشت اور دباؤ گروپوں کے مطالعات۔ دیگر مطالعات نے دولت کے ذرائع اور سماجی تنظیم کی اشکال پر بھی نظر ڈالی۔ 1958 میں جیمز پیٹرسن نے لندن یونیورسٹی کے اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز (SOAS) کے زیر اہتمام ایک کام تیار کرنے کی نگرانی کی جس کا نام "انڈیکس اسلامیکس (Index Islamicus)" تھا۔ یہ کام آج بھی کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کے اسلامی بیسیلو گرافی یونٹ کے ذریعے اپ ڈیٹ کیا جا رہا ہے، جس کی نگرانی ڈاکٹر جیون فرے روپر اور ہیتر بلیانی کر رہی ہیں۔ سی ڈی پر موجود تازہ ترین ایڈیشن میں 202,051 اندراجات شامل ہیں جو 1906 سے 1997 کے دوران پیش کیے گئے مونیو گرافز، کتابوں اور کانفرنسوں یا سیمینارز میں پیش کیے گئے مقالوں سے متعلق ہیں۔ اس مواد کا بنیادی موضوع مغربی ممالک کی عرب اور مشرقی علاقائی مطالعات میں دلچسپی ہے۔

برطانیہ کے معروف ایریا اسٹڈیز کے پروفیسرز میں فریڈ ہالیڈے<sup>88</sup> شامل ہیں، جو لندن اسکول آف اکنامکس میں بین الاقوامی تعلقات کے پروفیسر، ایریا اسٹڈیز میں بالعموم جبکہ مشرق و وسطیٰ میں بالخصوص مہارت رکھتے تھے۔ ہالڈے کی اہم مطالعات میں<sup>89</sup>: \*Iran: Arabia without Sultans\* (1974)

<sup>88</sup> سائنس فریڈرک پیٹر ہالڈے (Simon Frederick Peter Halliday) ایف بی اے (22 فروری 1946 -

26 اپریل 2010) ایک آئرش مصنف اور ماہر تعلیم تھے جو بین الاقوامی تعلقات اور مشرق و وسطیٰ کے معاملات بالخصوص سرد

جنگ، ایران اور جزیرہ نما عرب کے محقق تھے۔

<sup>89</sup> Fred Halliday, *Islam and the Myth of Confrontation: Religion and Politics in the Middle East*, translated by Mohammed Mustajir (Cairo: Madbouli, 1997), p. 223-4.

\*Revolution and Dictatorship and Development\* (1978)  
اور \*Foreign Policy: the Case of South Yemen 1967-1987\* (1990)،  
ان کی اہم کتاب جو 2002 میں عربی میں \*The Political Conflict in the Arabian Peninsula\* کے عنوان سے شائع ہوئی۔

جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے تو دوسری جنگ عظیم سے پہلے بیشتر امریکی یونیورسٹیاں کسی خاص علاقے کے مطالعہ میں دلچسپی نہیں رکھتی تھیں، جیسے کہ بہت سے مستشرقین بھی مشرق وسطیٰ میں جدید ترقیات کا مطالعہ کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ جنگ عظیم کے بعد امریکہ میں علاقوں اور ان کے مطالعے میں دلچسپی اُس تعلیمی پس منظر سے پیدا ہوئی جو 1941 میں پرل ہاربر کے حملے کے بعد سامنے آیا تھا۔ جو ماہرین طبیعیات ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری میں مصروف تھے لیکن ساتھ ہی بین الاقوامی تعلقات کے ماہرین تھے، وہ ان واقعات سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جاپان اور سوویت یونین کے ساتھ دشمنی کی وجہ سے جاپانی اور روسی ادب کے ماہرین کو مخالفین کے علاقوں سے متعلق ماہر بنایا۔ یہی بات شمالی افریقہ اور مشرق وسطیٰ کے محققین پر بھی لاگو ہوتی ہے جنہیں علاقائی انتظامات اور جنگی امور میں مہارت دی۔ امریکہ میں علاقائی مطالعات کا آغاز، دوسری جنگ عظیم کے اثرات میں ہوا جبکہ سرد جنگ کے دوران اس میں مزید بہتری آئی بالخصوص جب امریکہ نے ایک عالمی سپر پاور کے طور پر اپنے آپ کو منوایا اور دنیا بھر میں اپنے مفادات کو منظم کیا<sup>90</sup>۔ امریکہ کی سوشل سائنس ریسرچ کونسل<sup>91</sup> نے ان مطالعات کو

90 Zachary Lockman, Contending Visions of the Middle East. p. 209

سوشل سائنس ریسرچ کونسل (SSRC) ایک غیر منافع بخش تنظیم ہے جو امریکہ میں قائم ہے اور سوشل سائنسز اور متعلقہ شعبوں میں تحقیق کے فروغ کے لیے کام کرتی ہے۔ یہ 1923 میں بین الاقوامی میں قائم ہوئی اور اس کا ہیڈ کوارٹر بروکلین ہیٹس میں ہے۔ کونسل کا قیام 1923 میں امریکن پولیٹیکل سائنس ایسوسی ایشن کے تحقیقاتی کمیٹی کی سربراہی میں چارلس ای میرٹم کی قیادت میں ہوا۔ اس کی تشکیل کا مقصد سوشل سائنسز کے مختلف شعبوں میں مشترکہ تحقیق کی حوصلہ افزائی کرنا تھا۔ اس کی مالی معاونت کے لیے SSRC نے امریکی حکومت کی بجائے نجی فاؤنڈیشنز کی مدد حاصل کی۔ ابتدا میں مختلف سوشل سائنسز کے شعبوں میں تحقیق کو فروغ دینے کے لیے سالانہ کانفرنسیں اور ریسرچ ٹریٹنگ فیلو شپس پر وگرام شروع کیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران اس نے حکومت اور سوشل سائنسدانوں کے درمیان ایک پل کا کردار ادا کیا اور غیر ملکی علاقے کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کے لیے کئی پراجیکٹس شروع کیے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد SSRC نے علاقائی تحقیق (Area Studies) کو فروغ دینے کی جانب قدم بڑھایا اور اسے امریکہ میں عالمی مطالعات کے لیے ایک اہم پلیٹ فارم بنایا۔ یہ ایک نیا انداز تھا جس میں مختلف ممالک اور علاقوں کی خصوصیات کو سمجھا جاتا تھا اور ان کے سوشل، ثقافتی، اور اقتصادی پہلوؤں پر تحقیق کی جاتی تھی۔ یورپی اور عالمی سطح پر گلوبلائزیشن اور سرد جنگ کے اختتام کے بعد SSRC نے اپنی پالیسی میں تبدیلی کی اور علاقائی کمیٹیوں کو ختم کر

مستحکم کرنے میں اہم کردار ادا کیا جب 1946 میں ایریا اسٹڈیز کمیٹی قائم کی گئی جس کا مقصد امریکہ کے لیے سب سے اہم غیر ملکی علاقوں پر تحقیق کرنا تھا تاکہ انہیں امریکی یونیورسٹیوں میں سماجی علوم کے نقطہ نظر سے تعلیمی طور پر پڑھا جا سکے۔۔ ہیمملٹن گیب اس کے رکن تھے<sup>92</sup>۔ بعد ازاں، امریکی یونیورسٹیاں ان مطالعات کی حوصلہ افزائی کرنے اور کولمبیا، پرنسٹن اور ہارورڈ کی یونیورسٹیوں میں مشرق وسطیٰ کے مطالعے کے مراکز کو وسعت دینے کے لیے آگے آئیں، جن میں عرب پس منظر رکھنے والے ماہرین کو شامل کیا گیا، جیسے لبنانی مورخ فلپ ہیٹی<sup>93</sup> جنہوں نے پرنسٹن میں مشرق وسطیٰ کے مطالعے کے پروگرام کی بنیاد رکھی۔ ہیٹی نے عرب دنیا سے متعلق موضوعات کا مطالعہ کیا<sup>94</sup>۔

1950 کی دہائی اور 1960 کی دہائی کے درمیان، مشرق وسطیٰ کے مطالعے میں مزید اضافہ ہوا جس کی وجہ نجی اور ریاستی اداروں کی فنڈنگ تھی۔ 1960 کے آخر میں، مشرق وسطیٰ کے مطالعات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگریوں کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا۔ تاہم، ان فارغ التحصیل ماہرین سے استفادہ کے لئے ایک مرکز کی کمی تھی جسے 1946 میں واشنگٹن میں "مڈل ایسٹ انسٹی ٹیوٹ" کے قیام کے پورا کیا گیا۔ اس نے "مڈل ایسٹ جرنل" کا آغاز کیا جس کا موضوع جدید سیاست اور بین الاقوامی تعلقات بارے تحقیق، بالخصوص ان علاقوں میں امریکی مفادات کا تحفظ تھا۔

بعد ازاں، 1966 میں "مڈل ایسٹ اسٹڈیز ایسوسی ایشن (MESA)" قائم کی گئی، جسے فورڈ فاؤنڈیشن کی مالی امداد حاصل تھی۔ MESA نے 1967 میں اپنی افتتاحی کانفرنس منعقد کی اور اس نے "انٹرنیشنل جرنل آف مڈل ایسٹ اسٹڈیز" کی اشاعت شروع کی۔ MESA جلد ہی ایریا اسٹڈیز کے مشرق وسطیٰ کے شعبے کی سب سے بڑی تنظیم بن گئی<sup>95</sup>۔

امریکہ میں ایریا اسٹڈیز کی تشکیل خاص نہج پر ہوئی ہے جس میں، مسلم دنیا کے برعکس، ان مطالعات کا انحصار، ادارہ جاتی تحقیق پر ہے۔ ادارہ جاتی تحقیق جو سرکاری طور پر حمایت یافتہ اور ریاست کی پبلک پالیسی—بالخصوص خارجہ

کے ایک نیا عالمی پروگرام شروع کیا۔ اس پروگرام میں علاقائی مطالعات کی بجائے مختلف مسائل پر توجہ مرکوز کی گئی تاکہ دنیا کے مختلف علاقوں میں پائی جانے والی مشترکہ موضوعات پر تحقیق کی جاسکے۔

92 Zachary Lockman, *Contending Visions of the Middle East*. p. 213.

93 فیلیپ خوری حتی (Philip Khuri Hitti) (22 جون 1886–24 دسمبر 1978) ایک لبنانی-امریکی پروفیسر اور اسکالر تھے جو پرنسٹن اور ہارورڈ یونیورسٹی میں تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ وہ عرب اور مشرق وسطیٰ کی تاریخ، اسلام، اور سیمیٹک زبانوں کے ماہر تھے۔ انہوں نے اکیلا امریکہ میں عربی مطالعات کی شعبے کی بنیاد رکھی۔ ان کی نواسی، اب نہیں رہنے والی، ناسا کی خاتون غلاء بازار اور اساتذہ، کرسٹامیک اولف بھی تھیں۔

94 Shawki Abu Khalil, *The Objectivity of Philip Hitti Even in His Expansive History of the Arabs*. (Damascus: Dar Al-Fikr, 1985), p. 14.

95 Zachary Lockman, *Contending Visions of the Middle East*. p. 215

پالیسی سے منسلک ہوتی ہے، جس نے علاقائی مطالعات کرنے والے تحقیقاتی اداروں کی تعداد کو بروکنگز انسٹی ٹیوٹ کے مطابق 4,015 تک پہنچا دیا ہے<sup>96</sup>۔ امریکہ میں علاقائی مطالعات کے معروف اداروں میں: بروکنگز انسٹی ٹیوٹ<sup>97</sup>، ہیریٹیج فاؤنڈیشن<sup>98</sup>، امریکن اینٹراپرائز انسٹی ٹیوٹ فار پبلک پالیسی ریسرچ<sup>99</sup>، ہوور انسٹی ٹیوٹ فار وار اسٹڈیز<sup>100</sup>، کیٹوانسٹی ٹیوٹ<sup>101</sup>، کارنیگی اینڈاؤمنٹ<sup>102</sup>، نکسن سینٹر<sup>103</sup>، ووڈروولسن ریسرچ سینٹر<sup>104</sup>، جارج ٹاؤن

- 96 Hassan Mosdek, The Wikileaks Documents and the Secrets of the Spring of Arab Revolutions. Casablanca: Arab Cultural Center, 2012. p. 140.
- 97 بروکنگز انسٹی ٹیوٹ (Brookings Institution) ایک ممتاز امریکی تحقیقی ادارہ ہے جو دنیا بھر میں پالیسی سازی، معیشت، صحت، تعلیم، بین الاقوامی تعلقات، اور ٹیکنالوجی جیسے موضوعات پر گہرائی سے تحقیق کرتا ہے۔ یہ ادارہ امریکی معاشرتی مسائل اور عالمی پالیسی پر قابل اعتماد تجزیہ فراہم کرتا ہے اور امریکی حکومت کے لیے مختلف مسائل پر تجاویز فراہم کرتا ہے۔ 1916 میں قائم ہونے والا یہ ادارہ عالمی سطح پر اپنے تحقیقی کام اور پالیسی سازی کے لیے مشہور ہے۔
- 98 ہیریٹیج فاؤنڈیشن (The Heritage Foundation) ایک قدامت پسند تحکک ٹینک ہے جس کی بنیاد 1973 میں رکھی گئی تھی، جس کا مقصد امریکی معاشرتی، اقتصادی، اور حکومتی پالیسیوں میں اصلاحات لانا ہے۔ یہ ادارہ امریکی اقتدار کی ترویج اور حکومت کی مختلف پالیسیوں پر تحقیق کرتا ہے، اور ان پالیسیوں کے ذریعے عوام کی بہبود کے لیے تجاویز فراہم کرتا ہے۔ اس کی تحقیقات نے دنیا بھر میں اہم پالیسی تبدیلیوں کو متاثر کیا ہے۔
- 99 امریکن اینٹراپرائز انسٹی ٹیوٹ فار پبلک پالیسی ریسرچ (American Enterprise Institute for Public Policy Research) (AEI) ایک آزاد تحقیقی ادارہ ہے جو 1942 میں قائم ہوا اور اس کا مقصد امریکی سیاست اور عالمی پالیسی پر تحقیق کرنا ہے۔ یہ ادارہ عوامی پالیسی میں کنزرویٹو خیالات کو فروغ دیتا ہے اور معاشی، سماجی، اور ثقافتی مسائل پر اپنی تحقیق پیش کرتا ہے۔ AEI امریکی سیاسی مسائل کی گہرائی سے تجزیہ کرتا ہے اور مؤثر حکومتی اصلاحات کی تجاویز فراہم کرتا ہے۔
- 100 ہوور انسٹی ٹیوٹ فار وار اسٹڈیز (Hoover Institution on War, Revolution, and Peace) 1919 میں قائم ہوا، ایک بین الاقوامی تحقیقی ادارہ ہے جو عالمی جنگوں، انقلابات اور امن کے مسائل پر تحقیق کرتا ہے۔ یہ ادارہ بنیادی طور پر تاریخ، سیاست اور معاشرتی ترقی کے شعبوں میں گہرائی سے تجزیہ فراہم کرتا ہے اور اس کا مقصد عالمی سطح پر آزادی، امن اور ترقی کو فروغ دینا ہے۔ اس ادارے کا تحقیقی کام اس بات پر مرکوز ہے کہ دنیا کی موجودہ اور ماضی کی سیاسی صورتحال کیسے بہتر بنائی جاسکتی ہے۔
- 101 کیٹوانسٹی ٹیوٹ (Cato Institute) 1777 میں قائم ہوا اور یہ لبرل معاشی پالیسیوں کی ترویج کے لیے مشہور ہے۔ یہ ادارہ آزادی، محدود حکومت اور فرد کی آزادی کے حق میں تحقیق کرتا ہے اور حکومت کی مداخلت کو کم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیٹوانسٹی ٹیوٹ عالمی سطح پر معاشی پالیسیوں پر اثر انداز ہو رہا ہے اور امریکی پالیسی میں معاشی آزادی کے نظریات کو آگے بڑھا رہا ہے۔
- 102 کارنیگی اینڈاؤمنٹ (Carnegie Endowment for International Peace) 1910 میں قائم ہوا اور عالمی امن کے فروغ کے لیے کام کرتا ہے۔ اس ادارے کا مقصد بین الاقوامی تعلقات میں استحکام، اقتصادی ترقی اور جغرافیائی سیاسی مسائل پر تحقیق فراہم کرنا ہے۔ یہ ادارہ عالمی سطح پر مختلف سیاسی اور اقتصادی مسائل پر تحقیق کرتا ہے اور عالمی امن کے لیے تجاویز پیش کرتا ہے۔

سینٹر فار اسٹریٹجک اینڈ انٹرنیشنل اسٹڈیز<sup>105</sup>، ہڈسن انسٹی ٹیوٹ<sup>106</sup>، اور انسٹی ٹیوٹ فار پالیسی اسٹڈیز<sup>107</sup> کے علاوہ انسٹی ٹیوٹ فار فیوچر پالیسی<sup>108</sup>، انسٹی ٹیوٹ فار گلوبل پالیسی<sup>109</sup>، نیول ریسرچ سینٹر<sup>110</sup>، انسٹی ٹیوٹ فار ڈیفنس اینالیسیز<sup>111</sup>، رینڈ کارپوریشن<sup>112</sup>، اور دیگر شامل ہیں۔

- 103 نکسن سینٹر (Nixon Center) 1994 میں قائم ہوا اور عالمی سیاسی و اقتصادی امور پر تحقیق کرتا ہے۔ یہ ادارہ خاص طور پر امریکہ کی خارجہ پالیسی اور بین الاقوامی تعلقات کے مسائل پر تجزیہ فراہم کرتا ہے۔ نکسن سینٹر کا مقصد عالمی سطح پر امریکی مفادات کے تحفظ کے لیے پالیسی تجاویز پیش کرنا ہے، اور یہ امریکی سیاست میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔
- 104 ووڈرو ولسن ریسرچ سینٹر (Woodrow Wilson International Center for Scholars) 1968 میں قائم ہوا اور عالمی سیاست، معیشت اور بین الاقوامی تعلقات کے شعبوں میں تحقیق کرتا ہے۔ یہ ادارہ تحقیق، تجزیہ اور پالیسی سفارشات کے ذریعے عالمی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا مقصد دنیا بھر میں امن، انصاف اور اقتصادی ترقی کے مسائل پر تحقیق فراہم کرنا ہے اور امریکی پالیسی میں بہتری لانا ہے۔
- 105 جارج ٹاؤن سینٹر فار اسٹریٹجک اینڈ انٹرنیشنل اسٹڈیز (Center for Strategic and International Studies) 1962 میں قائم ہوا اور یہ عالمی سطح پر مختلف سیاسی اور اقتصادی مسائل پر گہرائی سے تحقیق کرتا ہے۔ اس کا مقصد امریکہ اور دنیا بھر میں حکومتی پالیسیوں میں بہتری لانا ہے۔ یہ ادارہ عالمی تعلقات اور اسٹریٹجک پالیسی کے شعبے میں اہم تحقیقی کام کرتا ہے اور امریکی پالیسی کے لیے راہنمائی فراہم کرتا ہے۔
- 106 ہڈسن انسٹی ٹیوٹ (Hudson Institute) 1961 میں قائم ہوا اور یہ عالمی مسائل پر تحقیق کرتا ہے، خاص طور پر معاشی، سیاسی، اور سماجی ترقی کے شعبوں میں۔ یہ ادارہ عالمی امن، آزادی اور انسانی حقوق کے مسائل پر تحقیق کرتا ہے اور پالیسی سازوں کو قابل عمل تجاویز فراہم کرتا ہے۔ ہڈسن انسٹی ٹیوٹ کے تحقیقی کام نے دنیا بھر میں اہم پالیسی تبدیلیوں کو متاثر کیا ہے۔
- 107 انسٹی ٹیوٹ فار پالیسی اسٹڈیز (Institute for Policy Studies) 1963 میں قائم ہوا اور یہ ادارہ سماجی انصاف، عالمی امن اور معاشی ترقی کے شعبوں میں تحقیق کرتا ہے۔ یہ ادارہ ترقی پسند پالیسیوں کو فروغ دیتا ہے اور عوامی پالیسی کے لیے نئی تجاویز فراہم کرتا ہے۔ اس کی تحقیق عالمی سطح پر مسائل کے حل کے لیے راہنمائی فراہم کرتی ہے اور عالمی پالیسی میں تبدیلی لانے کے لیے کام کرتی ہے۔
- 108 انسٹی ٹیوٹ فار فیوچر پالیسی (Institute for Future Policy) ایک تحقیقی ادارہ ہے جو دنیا بھر میں پالیسی کی ترقی کے مستقبل کے رجحانات پر تحقیق کرتا ہے۔ یہ ادارہ خاص طور پر دنیا کے سماجی، اقتصادی اور سیاسی مسائل کے مستقبل پر تجزیہ کرتا ہے اور نئی پالیسی تجاویز پیش کرتا ہے تاکہ دنیا کی بہتری کے لیے حکومتی اقدامات کی راہنمائی کی جا سکے۔
- 109 انسٹی ٹیوٹ فار گلوبل پالیسی (1995) عالمی مسائل پر تحقیق کرنے والا ایک معروف تحکک ٹینک ہے۔ اس کا دائرہ کار وسیع ہے اور اس میں ماحولیات، معیشت، انسانی حقوق اور عالمی سطح پر امن و سلامتی جیسے اہم مسائل شامل ہیں۔ یہ ادارہ عالمی سطح پر پالیسی بنانے والوں کو معلومات فراہم کرتا ہے تاکہ وہ بہترین فیصلے کر سکیں۔
- 110 نیول ریسرچ سینٹر (1923) امریکی بحریہ کے دفاعی ٹیکنالوجی، جنگی حکمت عملیوں، اور اسٹریٹجک امور پر تحقیق کرنے والا ایک اہم تحقیقی ادارہ ہے۔ اس ادارے کی تحقیق امریکی بحریہ کو جدید جنگی تکنیکوں اور دفاعی حکمت عملیوں میں مدد فراہم کرتی ہے، جو کہ قومی سلامتی کے لیے ضروری ہیں۔

1990 کی دہائی سے، ایسے مطالعات اہم اداروں اور مراکز میں بتدریج بڑھنا شروع ہوئے۔ اس حوالے سے، این بیٹرج، جو نارتھ امریکہ کی ڈل ایسٹ اسٹڈیز ایسوسی ایشن کی سابق ایگزیکٹو ڈائریکٹر تھیں، یہ نشانہ ہی کرتی ہیں کہ ڈل ایسٹ خطے پر کیے جانے والے مطالعات میں، مذہب کے ماہرین کے لیے 1996 کے بعد تقریباً 8 فیصد اضافہ ہوا۔ 116 اس کے باوجود، یہ کوشش تنقید سے بچ نہیں سکی تھی کیونکہ ان اداروں میں علم کی پیداوار میں استشراق کے ماضی کا تسلسل جاری رہا۔ اس تنقید کا خصوصاً عرب محققین اور نقادوں کی جانب سے سامنا کرنا پڑا تھا، جو ان محققین پر امریکی قومی سلامتی کی پالیسی کے ساتھ قریبی تعلقات رکھنے کا الزام لگاتے ہیں۔ ان مثالوں میں نداؤف سفران، جو اسرائیلی فوج کے ماہر اور ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں، لینارڈ بینڈر، جو شیکاگو یونیورسٹی کے پروفیسر اور سی آئی اے کے رکن ہیں، نیز کارلٹن کون اور ہالبرن، جو سی آئی اے، میسا (MESA)، اور ایریا اسٹڈیز سے متعلق امریکی یونیورسٹیوں سے جڑے ہوئے تھے، شامل ہیں، اور ان سب کا سیاسی سطح پر تعلق تھا۔ یہ واقعات دیگر تنقیدوں کے درمیان آئے جو پورے میدان کو استشراق کے جڑوں سے لے کر اس کے موجودہ تعلیمی مظہر تک کی طرف کی گئی تھیں۔ 117

آخر کار، ایریا اسٹڈیز امریکہ میں ان تین میدانوں کی تبدیلیوں کے طور پر وجود میں آیا: استشراق کے میدان میں بحران، امریکی اسٹریٹیجک سوچ اور حکمت عملی میں تبدیلیاں، اور سماجی علوم کی تعلیمی زندگی۔ ان تین میدانوں کے نتائج کے درمیان رابطے نے ایک منفرد تعلیمی میدان کو جنم دیا جو اس ریاست کی پالیسیوں کے مطابق تھا جس نے اسے پروان چڑھایا۔ ایریا اسٹڈیز نے افریقی، ایشیائی، یورپی، اور یہاں تک کہ دوسرے ممالک میں امریکی اسٹڈیز تک اپنے دائرہ کار کو بڑھایا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ دوسرے ممالک کے محققین کو بھی شامل کرتا ہے، جس پر کسی اور مقالے میں بات کی جائے گی۔

111 انسٹی ٹیوٹ فار ڈیفنس اینالیسیس (1956) قومی سلامتی، دفاعی پالیسی اور عالمی تنازعات کے حل پر تحقیق کرنے والا ایک اہم تھک ٹینک ہے۔ یہ ادارہ امریکی حکومت کو دفاعی حکمت عملیوں، قومی سلامتی کے خطرات، اور ان سے نمٹنے کے طریقوں پر مشورے فراہم کرتا ہے۔

112 ریڈ کارپوریشن (1948) ایک غیر منافع بخش ادارہ ہے جو امریکی حکومت، فوج، اور دیگر پالیسی ساز اداروں کو دفاع، صحت، معیشت اور دیگر شعبوں میں تحقیق فراہم کرتا ہے۔ اس کا مقصد پالیسی سازی کے عمل میں بہتر فیصلے کرنے کے لیے سائنسی اور تحقیقاتی معلومات فراہم کرنا ہے۔

### علاقائی مطالعات کی مسلم اسکالرز کے لیے اہمیت

علاقائی مطالعات یا Area Studies ایک ایسا علمی شعبہ ہے جس میں کسی خاص جغرافیائی علاقے کی تہذیب، تاریخ، ثقافت، ادب، سیاست، معیشت، اور زبانوں کا گہرائی سے مطالعہ کیا جاتا ہے۔ استشرق اور مغربی اہل علم نے مختلف جغرافیائی علاقوں کو بغور پڑھا، خاص طور پر مشرقی اور اسلامی دنیا کو، جس کا مقصد ان کے معاشرتی، ثقافتی، اور دینی پہلوؤں کو سمجھنا اور ان سے متعلقہ معلومات کو جمع کرنا تھا۔ اس کے ذریعے مغربی دنیا نے ان علاقوں کی پیچیدہ تہذیبوں اور سماجی رویوں کو سائنسی طریقے سے جانچا، جو نہ صرف مغربی ترقی کی بنیاد ثابت ہوئے، بلکہ عالمی سطح پر ان علاقوں کے بارے میں معلومات کی فراہمی کا ذریعہ بھی بنے۔ استشرق کے تحت مغربی محققین نے عربی، فارسی، ترکی، اور دیگر مشرقی زبانوں میں مہارت حاصل کی، اور ان زبانوں کے ذریعے مقامی ادب، مذہبی متون، اور تاریخ کا جائزہ لیا۔ ان مطالعات نے مغربی معاشرت اور فلسفہ کو مشرقی دنیا کی گہری تفہیم فراہم کی اور عالمی سیاست و معیشت میں ایک نئی جہت کا اضافہ کیا۔ اس علم کے ذریعے مغربی دنیا نے مشرقی دنیا کے تعلقات، اختلافات، اور تعلقات میں تبدیلیوں کو بہتر طور پر سمجھا اور ان کے اثرات کا تجزیہ کیا۔

مسلم محققین کے لیے علاقائی مطالعات میں اپنی مہارت کو بہتر بنانا انتہائی ضروری ہے۔ یہ محض ایک علمی فیلڈ نہیں بلکہ مسلم دنیا کے داخلی تعلقات، بین الاقوامی سیاست، اور ثقافتی ورثے کو بہتر طور پر سمجھنے کا ایک وسیلہ ہے۔ یہاں چند تجویز کردہ طریقے ہیں جن کے ذریعے مسلم محققین علاقائی مطالعات میں اپنی مہارت کو بڑھا سکتے ہیں:

1. زبانوں کی مہارت : مغربی دنیا کی طرح مسلم محققین کو مختلف علاقائی زبانوں میں مہارت حاصل کرنی

چاہیے، جیسے کہ فارسی، اردو، عربی، ترکی، اور دیگر اہم زبانیں جو مسلم دنیا کی ثقافت، تاریخ، اور سیاست سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان زبانوں کا گہرا مطالعہ انہیں مقامی مواد تک رسائی فراہم کرے گا، جو مغربی مستند مواد سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

2. بین الثقافتی روابط کا مطالعہ : مسلم محققین کو مختلف مسلم اقوام اور ان کے درمیان تعلقات کو سمجھنا

چاہیے۔ اسی طرح دیگر عالمی تہذیبوں سے تعلقات، جیسے کہ ہندوستان، چین، یورپ، اور افریقہ، پر بھی روشنی ڈالنی چاہیے۔ اس سے مسلم دنیا کی عالمی سطح پر بہتر تفہیم اور اس کی پوزیشن کو تسلیم کیا جائے گا۔

3. مقامی تاریخ اور ادب کا تحفظ : مسلم محققین کو اپنے علاقے کی تاریخ، ادب، اور ثقافت کو محفوظ کرنے کے لیے جدید تحقیقی طریقوں کو اپنانا چاہیے۔ قدیم متون کا تجزیہ اور ان کی از سر نو تشریح مسلم معاشرت کی شناخت کو اجاگر کر سکتی ہے۔

4. موجودہ عالمی تناظر میں تجزیہ : علاقائی مطالعات میں جدید سیاسی، اقتصادی، اور ثقافتی مسائل کو شامل کرنا ضروری ہے۔ مسلم محققین کو موجودہ عالمی تناظر میں مسلم دنیا کے مسائل کو سمجھنا اور اس پر تحقیق کرنا چاہیے، جیسے کہ عالمی سیاست میں مسلم ممالک کا کردار، معیشت میں ان کا اثر، اور دنیا بھر میں مسلمانوں کے معاشرتی مسائل۔

5. بین الاقوامی تحقیقی نیٹ ورک کی تشکیل : مسلم محققین کو اپنے آپ کو عالمی تحقیقی نیٹ ورک سے جوڑنا چاہیے تاکہ عالمی سطح پر ہونے والی تحقیق کا حصہ بن سکیں۔ اس سے انہیں اپنے علاقائی مطالعات کو عالمی سطح پر پیش کرنے کا موقع ملے گا۔

#### حاصل بحث:

قومیں تب ہی طاقتور بنتی ہیں یا تاریخ پر نشان چھوڑتی ہیں جب انہوں نے علم اور طاقت کے درمیان تعلق کو داخلی طور پر سمجھ لیا ہوتا ہے۔ جب یہ دونوں عناصر ملتے ہیں، تب ہی ایک قوم طاقتور بنتی ہے۔ مغرب نے یہ سبق کئی صدیوں تک کمزوری اور مغلوبیت کے بعد سیکھا ہے۔ ایک ایسا مشرق جس نے جغرافیہ کو فتح کیا اس کو پڑھا، سمجھا اور اس کے ساتھ تعامل کی اپنی شرائط طے کیں۔ گیارہویں صدی سے ہی مغرب نے باقی دنیا کو سمجھنے کی کوشش کی جو اس کے لیے ممکنہ حریف ہو سکتی تھی، اس کے راز، زبانیں، تاریخ اور مذاہب کو گہرائی سے جاننے کی کوشش کی۔ نتیجتاً، تاریخ دو مخالف سمتوں میں دوڑنے لگی: ایک ایسی سمت جس میں مشرق کی تہذیب اپنے عروج پر پہنچی اور پھر زوال کی طرف بڑھنے لگی، اور دوسری ایسی سمت جس میں مغربی یورپ نے اپنی اور دوسروں کی علمی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد رکھی۔ اس کشمکش کو اکثر مفکرین نے تہذیبوں اور ثقافتوں کے باہمی تصادم کے طور پر بیان کیا۔

علاقائی مطالعات میں مہارت مسلم محققین کے لیے نہ صرف علم و تحقیق کا ذریعہ ثابت ہو سکتا، بلکہ عالمی سطح پر مسلم دنیا کی شناخت، تاریخ، اور ثقافت کو محفوظ رکھنے کا راستہ بھی ہے۔ استشرق اور مغربی اہل علم کی طرح مسلم محققین کو بھی اپنے جغرافیوں کے علاوہ دیگر دنیا کی گہری تفہیم حاصل کرنے اور عالمی سطح پر اس کا موثر اظہار کرنے کے لئے ان

جدید تجزیاتی طریقوں کو اپنانا ہوگا۔ تب ہی مسلم دنیا کی علمی و ثقافتی میراث کو نہ صرف بہتر طور پر سمجھا جاسکے گا، بلکہ اس کا عالمی سطح پر حقیقی تشخص بھی اجاگر ہوگا۔

**Bibliography:**

1. Abdel Fattah Ibrahim, *On the Road to India*, 2<sup>nd</sup> edn. Baghdad: Al-Ahali Publications, 1935.
2. Abdel Karim Ghallab, *Morocco in Orientalist Studies: Seminar Proceedings*. Marrakesh, Morocco: The Moroccan Academy, 1993.
3. Abdel Malik Khalaf al-Tamimi, *Foreign Settlement in the Arab World: The Arab Maghreb, Palestine and the Arab Gulf: A Comparative Historical Study*, Alam Al-Marifa 71. Kuwait: National Council for Culture, Arts and Literature, 1983.
4. Abdel Muta'al Mohammed al-Jabri, *Orientalism, the Intellectual Face of Colonialism: A Study of the History, Aims, and Methods of Orientalism Hidden in the Intellectual Attack on Islam*. Cairo: Maktabat Wahba, 1995.
5. Abdel Jalil Chalebi, *Islam and the Orientalists*. Cairo: Dar Al-Shaab, 1977.
6. Abdullah Salih, "Who Draws Up American Policy in the Arab Region?" *Strategic Observer*, no. 16, part 3 (June 2008): 8.
7. Ahmed Salim al-Bursan, "The Development of the Concept of the Middle East and Western Strategic Thinking," *Magazine of the University of Sharjah*, year 3, no. 3 (October 2006): 140.
8. Ahmed Salim al-Bursan [and others], "The Greater Middle East Initiative," *Strategy Observer* (January 2000): p.20.
9. Ahmed Smilovich, *The Philosophy of Orientalism and Its Effect on Modern Arab Literature*. Cairo: Dar El-Fikr Al-Arabi, 1998.
10. Ahmed Arif Irhayyil al-Kafarneh, "Political Effects on the Arab Regional Order in Light of the Occupation of Iraq," *The Damascus University Journal of Economics and Law*, year 25, no. 2 (2009): 622.
11. Ahmed Abdel Rahim Mustafa, *The United States and the Arab Mashreq*, Alam al-Marifa
12. 4. Kuwait: National Council for Culture, Arts and Literature, 1978.
13. Andrew Edgar and Peter Sedgwick, *Cultural Theory: The Key Concepts*, translated by Mohammed al-Jawhari and Hana al-Jawhari. Cairo: National Center for Translation, 2009.
14. Bob Woodward, *Target Middle East: The CIA's Secret Wars*, edited by Sami al-Razzaz. Cairo: Sina Publications, 1990.

15. Bronwyn Wheeler, Academic Seminar on the Incorporation of Islamic Studies into the Curriculum in Philosophy and the Humanities, March 6-7, 1998, *Islamiyat al-Marifa*, year 4, no. 14 (Fall 1998): 233-4
16. Carleton Coon, *Caravan: The Story of the Middle East*, translated by Burhan Dajani and review by Ihsan Abbas. Beirut: Dar Al-Thaqafa, 1959.
17. Charles Issawi and others, "Middle East Economic Development" in: Albert Hourani, Philip Khoury and Mary Wilson eds, *The Modern Middle East*, translated by As'ad Saqr, 4 vols (Damascus: Dar Tallas, 1996), vol 2: *Transformations in Society and Economy 1789-1918*, p. 32.
18. Douglas Boyd, "Sharq al-Adna Radio the Voice of Britain," *Jerusalem Quarterly*, year 5, no. 5 (Spring 2007): 85-6.
19. Edward Said, *Orientalism: Knowledge, Power and Discourse*, translated into Arabic by Kamal Abu Deeb. Beirut, Arab Research Institute, 1981.
20. Emadeddine Shaheen, "The Greater Middle East: Echoes of the Western Vision," *My Nation in the World* (Cairo: Civilization Center for Political Studies, [n. d.]).
21. Emadeddine Shaheen, "The Middle East in the Vision of the Western Academy and in the Study of International Relations" in: *Session on Islamic Methodology in the Social Sciences—Political Science as Example (29/7 to 2/8/2000)*, compiled and overseen by Nadia Mahmoud Mustafa and Seifeddine Abdel Fattah, *Islamic Methodology* 18 (Cairo: Civilization Center for Political Studies, 2002): 118.
22. Farouq Guwaida, *Who Writes the History of the July Revolution?* Cairo: Dar Al-Gharib, 2000.
23. Fawaz Gergis, *The Arab Regional Order and the Major Powers: A Study in Arab-Arab and Arab-International Relations*. Beirut: Arab Unity Studies Center, 1997.
24. Flynt Leverett and Tamara Wittes, *The Road Ahead: Middle East Policy in the Bush Administration's Second Term*, commentary Manar al-Shurbagi, *Tarjamat* 14. Cairo: International Center for Future and Strategic Studies, 2006.
25. Fred Halliday, *The Political Conflict in the Arabian Peninsula*, translated and foreword by Mohammed al-Rumaihi. Beirut: Dar Al-Saqi, 2008.

26. Fred Halliday, *Islam and the Myth of Confrontation: Religion and Politics in the Middle East*, translated by Mohammed Mustajir. Cairo: Madbouli, 1997.
27. Ghassan Ghadab, "American Orientalism," *Middle East Affairs*, no. 105 (2002): 92-3.
28. Hashim Farhat, *The Middle East States in Foreign Intellectual Production (A Bibliometric Study)*. Riyadh: King Saud University, Library and Information Science Department, [n. d.].
29. Hassan Mosdek, *The Wikileaks Documents and the Secrets of the Spring of Arab Revolutions*. Casablanca: Arab Cultural Center, 2012.
30. Hassan Mosdek, *Dimensions of the Franco-American Conflict over Morocco, the Middle East and Africa*, *Wujhat Nazar Pamphlets 8* (Rabat: Wujhat Nazar Pamphlets, 2005): 152-3
31. Hassan Nafie, "International Reactions Towards the Invasion," in: *The Iraqi Invasion of Kuwait: Lead Up, Events and Responses*, *Alam Al-Marifa 195* (Kuwait: National Council for Culture, Arts and Literature, 1995): 464.
32. Hussein Agha, Ahmed Samih al-Khalidi and Qasim Jaafar, *The Western Military Presence in the Middle East*, *Strategic Studies Series 9* (Beirut, Arab Institute for Studies and Publishing, 1982): 2.
33. Islam Dili, "The Bernard Lewis Plan to Sow the Seeds of Arab Democracy Under Test in Iraq," *Strategic Studies (Al-Kashef Center for Strategic Monitoring and Studies, 2005)*: 8-9.
34. Janosh Danitski, "Orientalism Between East and West," translated by Adnan Mubarak,
35. *Al-Istishraq*, no. 1 (January 1987): 51.
36. Johann Funk, *History of the Orientalist Movement: Arabic and Islamic Studies in Europe until the Beginning of the Twentieth Century*, translated by Omar Lutfi al-Alim, vol. 2. Benghazi, Libya: Dar Al-Kutub Al-Wataniya, [n. d.].
37. J. J. Clarke, *Oriental Enlightenment: The Encounter Between Asian and Western Thought*, translated by Shawki Jalal, *Alam al-Marifa 346*. Kuwait: National Council for Culture, Arts and Literature, 2007.
38. Khalil Samaan, "Orientalism and Orientalists," *Al-Lisan All-Arabiya*, no. 20 (1983): 191.
39. Lutfi ibn Milad, "Orientalism in the thought of Hichem Djaït,"

- Al-Mustaqbal Al-Arabi, year 33, no. 376 (June 2010): 119-20.
40. Mamduh Mahmoud Mansur, *The American-Soviet Conflict in the Middle East* (Cairo: Madbouli, [n. d.]).
  41. Marina Ottaway [and others], "The New Middle East," Report of the Carnegie Middle East Center, [www.carnegieendowment.org/pubs](http://www.carnegieendowment.org/pubs).
  42. Mahir Abed, "The Palestinian State Between America and Israel," *Al-Quds Al-Arabi*, May 30, 2011.
  43. Mahir Malandi, "The Road Map: Between Text and Implementation," *The Damascus University Journal of Economics and Law*, year 25, no. 2 (2009): 392.
  44. *Middle East News in the World Press: Study Undertaken by the International Press Institute in Zurich, Switzerland*, translated by Abdel Latif Hamza and Walim al-Miri. Cairo: Dar Al-Fikr Al-Arabi, 1961.
  45. Mohammed Aziz Shukri, *Alliances and Coalitions in International Politics*, Alam Al-Marifa
  46. *7. Kuwait: National Council for Culture, Arts and Literature*, 1978.
  47. Mohammed al-Rumaihi, *Oil and International Relations: An Arab Perspective*, Alam Al- Marifa 52. Kuwait: National Council for Culture, Arts and Literature, 1982.
  48. Mohammed Fathallah al-Ziyadi, *The Spread of Islam and the Position of Some Orientalists on it* (Tripoli, Libya: General Publishing Organization, [n. d.]
  49. Mohammed Jasim al-Mawsuei, *Orientalism in Arab Thought*. Cairo: General Egyptian Book Organization, 1993.
  50. Mohammed Waqie-Allah Ahmed, *Islam in Modern Western Curricula: A Review and Critique*. Medina: Publications of the International Naif bin Abdulaziz al Saud Prize for the Prophet's Sunnah and Contemporary Islamic Studies, 2006.
  51. Munir al-Hamsh, *The Condemned Peace: The New Middle East from Greater Israel to Great Israel*, 2<sup>nd</sup> edn. Cairo: Madbouli, 1997.
  52. Nasr Mohammed Arif, *Contemporary Political Theories of Development: A Comparative Critical Study from the Perspective of Islamic Civilization*. Cairo: Dar Al-Qari Al-Arabi, 1981
  53. Omar al-Tibi, "Moroccan society in Orientalism," *Al-Mustaqbal Al-Arabi*, year 18, no. 195 (May 1995): 86.

54. Patrick Seale, *Asad of Syria: The Struggle for the Middle East*, 10<sup>th</sup> edn. Beirut: All Prints Distributors and Publishers, 2007.
55. Philip Hitti, Edward Jurji and Gibrael Jabbour, *History of the Arabs (Expanded)*, 3 vols. Beirut: Dar Al-Kashshaf, 1949-1953.
56. Shawki Abu Khalil, *The Objectivity of Philip Hitti Even in His Expansive History of the Arabs*. Damascus: Dar Al-Fikr, 1985.
57. Tayyeb Tayzini, *From Tradition to Revolution: On a Proposed Theory of the Arab Tradition*, 2<sup>nd</sup> edn. Beirut: Dar Ibn Khaldun, 1978.
58. Timothy Mitchell, *The Middle East in the Past and Future of Social Science*. Gaga Books, Berkeley, 2003.
59. Zahir Awwad al-Almaie, *With the Exegetes and the Orientalists on the Marriage of the Prophet (PBUH) to Zaynab bint Jahsh: An Analytical Study*, vol. 2. Cairo: Eissa al-Babi, 1976.
60. Zachary Lockman, *Contending Visions of the Middle East: The History and Politics of Orientalism*, Arabic translation by Sherif Younis. Cairo: Shuruq, 2007.
61. Zahir Mohammed al-Hasanawi, *The American Vision of the Egyptian-British Conflict: From the Burning of Cairo to the Revolution*, *Strategic Studies* 26 (Abu Dhabi: Emirati Center for Strategic Studies and Research, 1999):43-4.



This work is licensed under a [Creative Commons Attribution-NonCommercial-ShareAlike 4.0 International \(CC BY-NC-SA 4.0\)](https://creativecommons.org/licenses/by-nc-sa/4.0/)